مطالعۂ قرآنِ حکیم کا

منتخب نصاب

نکات برائے درس و تدریس

حصہ اوّل

انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی (رجسٹرڈ)
قرآن اکیڈمی، خیابانِ راحت، درخشاں، ڈیفنس فیز VI، کراچی

مطالعۂ قرآنِ حکیم کا
منتخب نصاب

حصّہ اوّل

نکات برائے درس و تدریس

انجمن خدّام القرآن سندھ، کراچی (قرآن اکیڈمی) ـ رجسٹرڈ
قرآن اکیڈمی، خیابانِ راحت، درخشاں، ڈیفنس، فیزVI، کراچی
فون نمبر:4-5340022 فیکس:5840009
ای میل:info@quranacademy.com
ویب سائیٹ:www.quranacademy.com

نام کتاب: .... منتخب نصاب - حصّہ اوّل

نکات برائے درس و تدریس

طبع اوّل تا سوم 3000

طبع چہارم (جولائی 2009) 1000

زیرِ اہتمام .... شعبۂ تعلیم و تدریس

انجمن خدّام القرآن سندھ، کراچی

مقام اشاعت .... قرآن اکیڈمی، DM -55، درخشاں،

ڈیفنس، فیز VI، کراچی

قیمت .... -/75 روپے

انتساب

اُن باہمت حضرات وخواتین کے نام

جو الفاظِ قرآنی

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (یونس 10: 58)

پر یقین کی عملی مثال قائم کرتے ہوئے

اور حدیثِ نبوی ﷺ

خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (بخاری)

کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے

دنیا کی عارضی لذتوں کے مقابلے میں

آخرت کی ابدی کامیابی کے حصول کے لیے

اپنی بہترین صلاحیتیں

قرآنِ کریم کے سیکھنے اور سکھانے کے لیے

وقف کر دیں۔

فہرست

1. منتخب نصاب کا تعارف 5
2. تعارفِ قرآنِ حکیم 8
3. درسِ اوّل : سورۃ العصر[103] "لوازمِ نجات" 28
4. درسِ دوم : آیۂ برّ (سورۃ البقرۃ[2]: 177) "حقیقتِ برّ و تقویٰ" 58
5. درسِ سوم: سورۃ لقمان[31] آیات 12 تا 19 78
6. درسِ چہارم : حقیقت و اقسامِ شرک 98
7. درسِ پنجم :سورۃ حم السجدۃ[41] آیات 30-36 "حظِّ عظیم" 130

حوالہ جات:

- "مطالعۂ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب" کتابی صورت میں جس میں منتخب نصاب میں شامل تمام مقامات کا متن، ترجمہ اور مختصر تفسیر موجود ہے۔
- منتخب نصاب کے تمام مقامات کے مختصر لیکن جامع دروس پر مشتمل الہدیٰ سیریز کے 44 آڈیو کیسٹس
- منتخب نصاب کے تمام مقامات کے دروس پر مشتمل الہدیٰ کمپیوٹر CD
- منتخب نصاب کے تمام مقامات کے تفصیلی دروس پر مشتمل 98 آڈیو کیسٹس / 49 ویڈیو کیسٹس
- منتخب نصاب کے تمام مقامات کے تفصیلی دروس پر مشتمل 3 کمپیوٹر CDs

منتخب نصاب کا تعارف

قرآنِ حکیم ایک ایسا بحر بیکراں ہے جس کا نہ کوئی متعین کنارہ ہے اور نہ گہرائی کا کوئی سراغ۔ جس طرح سمندر سے موتی نکالنے کے لیے غوطہ زنی کرنی پڑتی ہے بالکل اِسی طرح قرآنِ حکیم میں پوشیدہ علم و حکمت کے خزانے حاصل کرنے لیے بھی غوطہ زن ہونا شرط ہے، بقول اقبال "قرآن میں ہو غوطہ زن، اے مردِ مسلماں!"۔

اللہ کے کئی بندوں نے قرآنِ حکیم کے بحرِ ذخار میں غوطہ زنی کی اور مختلف پہلوؤں سے علم و حکمت کے موتی جمع کیے۔ کسی نے احکاماتِ قرآن کے پہلو سے ایسی آیات کو جمع کیا جن میں اوامر و نواہی کا بیان ہے، کسی نے قرآن حکیم میں بیان شدہ تاریخی واقعات کو مرتب کیا اور کسی نے دورِ جدید کے تسلیم شدہ سائنسی انکشافات کی طرف نشاندہی کرنے والی آیات کا مجموعہ تیار کیا۔

صاحبِ تدبرِ قرآن مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے قرآنِ حکیم کی آیاتِ بینات پر دو سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے غور و فکر کیا۔ پہلا سوال یہ کہ قرآنِ حکیم کی روشنی میں دینِ اسلام کا جامع تصور کیا ہے؟ اور دوسرا سوال یہ کہ دینِ اسلام کے ایک مسلمان سے عملی تقاضے کیا ہیں؟ جن مقامات پر مولانا کو اِن سوالات کے جوابات حاصل ہوئے، اُنہیں مولانا نے جمع کیا اور اس مجموعہ کو "منتخب نصاب" کا نام دیا گیا۔ مولانا اسلامی جمعیت طلبہ کے زیرِ انتظام تربیت گاہوں میں اِس نصاب کا درس دیتے رہے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اِس نصاب کو براہِ راست مولانا اصلاحی صاحب سے پڑھا اور کئی بار اِس کا درس بھی دیا۔ اِس دوران محترم ڈاکٹر صاحب اِس نصاب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ فہم کے اعتبار سے اضافے کرتے رہے جن سے اِس نصاب کی ایک واضح بنیاد قائم ہوگئی اور مختلف مقامات کے مضامین میں جو فاصلے تھے وہ بھی بہت حد تک دور ہوگئے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اِس نصاب کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جن کے مضامین کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

منتخب نصاب حصّہ اوّل:

اِس حصّہ میں سورۃ العصر سمیت چار مقاماتِ قرآنی شامل ہیں۔ سورۃ العصر کو منتخب نصاب کی جڑ اور بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اِس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آخرت میں خسارہ سے بچنے کے لیے چار شرائط بیان فرمائی ہیں۔ یہ شرائط ہیں ایمان لانا، اچھا عمل کرنا، مل جل کر حق بات کی تلقین کرنا اور حق کی راہ میں آنے والی آزمائشوں پر ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرنا۔ منتخب نصاب کے پہلے حصّہ میں شامل تمام مقاماتِ قرآنی میں یہی چار شرائط مختلف وضاحتوں اور اسالیب کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں، اِسی لیے اِن چاروں مقاماتِ قرآنی کو جامع اسباق قرار دیا جا سکتا ہے۔

منتخب نصاب حصّہ دوم:

منتخب نصاب کے دوسرے حصّہ کا موضوع ہے "ایمان"، یعنی آخرت کے خسارے سے بچنے کی پہلی شرط۔ اِس حصّہ میں پانچ اسباق شامل ہیں جو واضح کرتے ہیں کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے، ایمان کیسے حاصل ہوتا ہے اور ایمان کے وہ کیا نتائج و ثمرات ہیں جو انسان کے ظاہر و باطن میں نمودار ہوتے ہیں؟

منتخب نصاب حصّہ سوم:

اِس حصّہ کا موضوع ہے عملِ صالح یعنی آخرت کے خسارے سے بچنے کی دوسری شرط۔ یہ حصّہ بھی پانچ دروس پر مشتمل ہے۔ اِس حصّہ میں ایک فرد کی ذاتی زندگی کے بارے میں اعمالِ صالحہ کا مضمون شروع ہوتا ہے اور پھر ایک خوبصورت تدریج کے ساتھ خاندان، معاشرہ اور بالآخر ریاست کی سطح پر اعمالِ صالحہ کے بیان پر مکمل ہوتا ہے۔

منتخب نصاب حصّہ چہارم:

منتخب نصاب کے اِس حصّہ کا موضوع ہے آخرت کے خسارے سے بچنے کی تیسری شرط یعنی تواصی بالحق جس سے مراد ہے باہم مل جل کر اور اہتمام سے حق بات کی تلقین کرنا۔ تواصی بالحق معاشرے

میں جہاد فی سبیل اللہ کا پہلا مرحلہ ہے، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ منتخب نصاب کا یہ حصّہ جہاد فی سبیل اللہ سے بحث کرتا ہے۔ اِس حصّہ میں بھی پانچ ہی اسباق ہیں۔

منتخب نصاب حصّہ پنجم:

منتخب نصاب کے پانچویں حصّہ کا موضوع ہے صبر و مصابرت یعنی آخرت کے خسارے سے بچنے کی چوتھی شرط۔ صبر و ثبات، ہمت و جرأت اور پامردی و استقلال کی کامل ترین مثال تھے محمدؐ رسول اللہ ﷺ۔ لہٰذا منتخب نصاب کے اِس حصّہ کے اسباق، دورِ نبوی ﷺ میں پیش آنے والے صبر کے مختلف مواقع سے ایک تدریج کے ساتھ بحث کرتے ہیں۔ یہ حصّہ دس اسباق پر مشتمل ہے۔

منتخب نصاب حصّہ ششم:

منتخب نصاب کا چھٹا اور آخری حصّہ قرآنِ حکیم کی ایک مکمل سورۃ یعنی سورۃ الحدید کے تفصیلی مطالعہ پر مشتمل ہے۔ سورۃ الحدید دینی تقاضوں کے موضوع پر قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورۂ مبارکہ ہے۔ گویا منتخب نصاب کے پہلے حصّہ کے چار اسباق کی طرح منتخب نصاب کا آخری حصّہ بھی ایک جامع سبق پر مشتمل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ

اے اللہ بنادے قرآن کو

رَبِیْعَ قُلُوْبِنَا ---وَ--- نُوْرَ صُدُوْرِنَا

ہمارے دلوں کی بہار اور ہمارے سینوں کا نور

وَجِلَآءَ اَحْزَانِنَا ---وَ--- ذَھَابَ ھُمُوْمِنَا وَغُمُوْمِنَا

اور ہمارے دکھوں کا مداوا اور ہمارے تفکرات و غموں کا دور کرنے والا

تعارفِ قرآنِ حکیم

1) قرآنِ حکیم کیا ہے؟

قرآنِ حکیم اصل میں اللہ کی کتاب ہے لیکن نزول کے اعتبار سے یہ اللہ کا کلام ہے۔ اللہ کے پاس قرآنِ حکیم کتابی صورت میں محفوظ ہے:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾ (البروج[85]: 21-22)

"بلکہ وہ عزت والا قرآن ہے جو ایک محفوظ تختی میں لکھا ہوا ہے"۔

وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ (الزخرف[43]: 4)

"اور وہ ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے"۔

اِسی لیے قرآنِ حکیم اپنے آپ کو بار بار کتاب کہتا ہے جیسے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (البقرۃ[2]: 2)

"یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں"۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ (یوسف[12]: 1، الشعراء[26]: 2، القصص[28]: 2)

"یہ واضح کتاب کی آیات ہیں"۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ (الزمر[39]: 1، الجاثیہ[45]: 2، الاحقاف[46]: 2)

"اِس کتاب کا اتارا جانا ہے اُس اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے کمالِ حکمت والا"۔

قرآنِ حکیم اللہ کا کلام اِس معنی میں ہے کہ اِس کا نزول نبی اکرم ﷺ پر تحریری صورت کے بجائے کلام کی صورت میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبۃ[9] آیت 6 میں قرآنِ حکیم کو اپنا کلام قرار دیا:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ

"اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا طلب گار ہو تو اُس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے"۔

سورۃ الحاقۃ[69] آیت 40 اور سورۃ التکویر[81] آیت 19 میں اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ کے الفاظ کے ذریعے قرآنِ حکیم کو رسولِ ملک حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام کا قول کہا گیا کیوں کہ اللہ کا کلام اُنہی کے ذریعے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نازل ہوا۔

قرآنِ حکیم کے برعکس تورات تحریری صورت میں نازل فرمائی گئی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (الاعراف[7]: 145)

"اور ہم نے اُن (یعنی حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام) کے لیے ہر بات تختیوں میں لکھ دی تھی"۔

2) قرآنِ حکیم کی عظمت کا کیا مقام ہے؟

- قرآنِ حکیم کی عظمت کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ کلام متکلم کی صفت اور اُس کی جملہ صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ اِسی لیے کلام اللہ کی وہی تاثیر ہے جو تاثیر تجلّیٔ ذاتِ باری تعالیٰ کی ہے۔ اِس حقیقت کو سورۃ الحشر[59] آیت 21 اور سورۃ الاعراف[7] آیت 143 کے تقابلی مطالعے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ سورۃ الحشر[59] آیت 21 میں ارشاد ہوا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ
وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝٢١

"اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ فکر کریں"۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (الاعراف[7]: 143)

"اور جب موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہِ طور پر) پہنچے اور اُن کے رب نے اُن سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اے اللہ! مجھے (اپنا جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار (بھی) کروں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہر گز نہ دیکھ سکو گے، ہاں پہاڑ کی

طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ جب اُن کے رب
نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اُس کو کر دیا ریزہ ریزہ اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے"۔

معلوم ہوا کہ پہاڑ پر جو اثر اللہ کی ذات کی تجلی پڑنے سے ہوا، وہی اثر اُس وقت بھی ظاہر ہوتا اگر اِس پر قرآن نازل کر دیا جاتا۔ سورۃ الحشر[59] آیت 21 میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ در حقیقت یہ ایک مثال ہے جو اللہ لوگوں کے غور و فکر کے لیے بیان فرما رہا ہے۔ گویا قرآنِ حکیم کی عظمت کا اصل مقام صرف اللہ کے علم میں ہے جس کا یہ کلام ہے یا اِس کا ادراک کسی درجے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا جن کے مبارک قلب پر قرآنِ حکیم نازل ہوا۔

- اللہ کا کلام ہونے کی وجہ سے ہی قرآنِ حکیم، صاحبِ قرآن یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا معجزہ ہے جس کا مقابلہ بندوں کا کلام نہیں کر سکتا۔ عربی زبان کا مقولہ ہے:

كَلَامُ الْمَلِكِ مَلِكُ الْكَلَامِ

"بادشاہ کی بات، باتوں کی بادشاہ ہوتی ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں اعتراض کرنے والوں کو للکارا گیا کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ قرآنِ حکیم اللہ کا کلام نہیں بلکہ اِسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سے بنالیا ہے تو پھر مقابلہ میں اِس جیسا کلام پیش کر کے دکھائیں۔ اِرشاداتِ باری تعالیٰ ہیں :

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۳﴾ فَلۡيَاۡتُوۡا بِحَدِيۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا
صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۴﴾ (الطور[52]: 33-34)

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اِس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے؟ بات یہ ہے کہ یہ (اللہ پر) ایمان نہیں رکھتے۔ پس اِنہیں چاہیئے کہ اِس جیسا کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ (اپنے اعتراض میں) سچے ہیں"۔

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ
بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ﴿۸۸﴾ (بنی اسرائیل[17]: 88)

"(اے نبی) کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات جمع ہو جائیں اِس بات پر کہ اِس

قرآن جیسا کلام بنالائیں تو وہ اِس جیسا کلام نہ لاسکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں"۔

جب معترضین اِس چیلنج کا جواب نہ دے سکے تو اللہ نے فرمایا کہ پورا قرآن لانا ممکن نہ ہو تو دس سورتیں ہی لے آؤ:

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَیٰتٍ وَّ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۳﴾ (هود[11]: 13)

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اِس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے؟ کہہ دیجئے بنا کرلے آؤ اِس طرح کی بنائی ہوئی دس سورتیں اور (اِس کے لیے) بلالو جن کو تم بلا سکتے ہو اللہ کے سوا اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو"۔

جب اعتراض کرنے مقابلہ میں دس سورتیں بھی پیش نہ کر سکے تو اللہ نے آخری بات ارشاد فرمادی کہ چلو ایک ہی سورۃ بنا کر دکھادو:

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۸﴾ (یونس[10]: 38)

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اِس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے؟ کہہ دیجئے بنا کرلے آؤ اِس طرح کی ایک سورت اور (اِس کے لیے) بلالو جن کو تم بلا سکتے ہو اللہ کے سوا اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو"۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۪ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾ (البقرة[2]: 23-24)

"اور اگر تم شک میں ہو اِس (کتاب) کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) پر نازل فرمائی ہے تو اِسی طرح کی ایک سورۃ تم بھی بنالاؤ اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں اُن کو بھی بلالو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا

نہیں کیا اور تم ہر گز ایسا کر بھی نہ سکو گے تو ڈرو اُس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے، جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے "۔

- سورۃ الحشر[59] آیت 21 کے علاوہ قرآنِ حکیم نے جن مقامات پر اپنی عظمت بیان کی ہے اُن میں سے چند یہ ہیں:

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ ٭ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡہُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُہُمۡ وَ قُلُوۡبُہُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ (الزمر[39]:23)

"اللہ نے نازل فرمائی ہے بہترین بات، یہ ایسی کتاب ہے جس کے مضامین ملتے جلتے (اور) دہرائے جاتے ہیں، اِس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اُن لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے، پھر اُن کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف (متوجہ) ہو جاتے ہیں"۔

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ مَّوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوۡرِ ۬ۙ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۷﴾ قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَ بِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا ؕ ہُوَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴿۵۸﴾ (یونس[10]:57-58)

"لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کیلیے ہدایت اور رحمت آپہنچی ہے۔ (اے نبی) کہہ دیجئے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اُس کی مہربانی سے (نازل ہوا) ہے تو چاہیئے کہ لوگ اِس پر خوشیاں منائیں، یہ اُس (مال و اسباب) سے کہیں بہتر ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں"۔

کَلَّاۤ اِنَّہَا تَذۡکِرَۃٌ ﴿ۚ۱۱﴾ فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَہٗ ﴿ۘ۱۲﴾ فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ﴿ۙ۱۳﴾ مَّرۡفُوۡعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍۭ ﴿ۙ۱۴﴾ بِاَیۡدِیۡ سَفَرَۃٍ ﴿ۙ۱۵﴾ کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ ﴿ؕ۱۶﴾ (عبس[80]:11-16)

"دیکھو یہ (قرآن) نصیحت ہے، پس جو چاہے اِسے یاد رکھے، قابلِ ادب ورقوں میں (لکھا ہوا) ہے، جو بلند مقام پر رکھے ہوئے نہایت پاکیزہ ہیں، (اور ایسے) لکھنے والے کے ہاتھوں میں ہے، جو عزت والے نیکو کار ہیں"۔

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾ (الرحمٰن[55]: 1-4)

"(اللہ جو) نہایت مہربان ہے۔ اُسی نے قرآن سکھایا۔ انسان کو پیدا کیا۔ اُسے بیان کرنے کی صلاحیت دی"۔

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ﴿ۙ۷۵﴾ وَ اِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِیۡمٌ ﴿ۙ۷۶﴾ اِنَّہٗ لَقُرۡاٰنٌ کَرِیۡمٌ ﴿ۙ۷۷﴾ فِیۡ کِتٰبٍ مَّکۡنُوۡنٍ ﴿ۙ۷۸﴾ لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ ﴿ؕ۷۹﴾ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡہِنُوۡنَ ﴿ۙ۸۱﴾ وَ تَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَکُمۡ اَنَّکُمۡ تُکَذِّبُوۡنَ ﴿۸۲﴾ (الواقعۃ[56]: 75-82)

"پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے ڈوبنے کے مقامات کی۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے۔ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے۔ (جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔ اِس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔ پروردگارِ عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ کیا تم اِس کلام سے انکار کرتے ہو؟ اور اپنا وظیفہ یہ بناتے ہو کہ تم اِسے جھٹلاتے ہو؟"

- عظمتِ قرآن کے موضوع پر نبی اکرم ﷺ کے کئی ارشادات ہیں۔ اُن میں سے ایک خطبہ یہ ہے:

عظمتِ قرآن بزبانِ صاحبِ قرآن ﷺ

حضرت حارثؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مسجد میں گیا تو لوگ (دنیوی) باتوں میں مشغول تھے تو میں حضرت علیؓ کے پاس گیا اور اُن سے کہا کہ اے امیر المؤمنین کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لوگ (دنیوی) باتوں میں مشغول ہیں۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ کیا واقعی لوگ ایسا کر رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا: ہاں۔ اس پر حضرت علی نے فرمایا:

اَمَا اِنِّیۡ سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوۡلُ اَلَا اِنَّھَا سَتَکُوۡنُ فِتۡنَۃٌ فَقُلۡتُ مَا الۡمَخۡرَجُ مِنۡھَا یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ کِتَابُ اللّٰہِ فِیۡہِ نَبَاءُ مَا کَانَ قَبۡلَکُمۡ وَخَبَرُ مَا بَعۡدَکُمۡ وَحُکۡمُ مَا بَیۡنَکُمۡ وَھُوَ الۡفَصۡلُ لَیۡسَ بِالۡھَزۡلِ مَنۡ تَرَکَہٗ مِنۡ جَبَّارٍ قَصَمَہُ اللّٰہُ وَمَنِ ابۡتَغَی الۡھُدٰی فِیۡ غَیۡرِہٖ اَضَلَّہُ اللّٰہُ وَھُوَ حَبۡلُ اللّٰہِ الۡمَتِیۡنُ وَھُوَ الذِّکۡرُ الۡحَکِیۡمُ وَھُوَ الصِّرَاطُ الۡمُسۡتَقِیۡمُ

وَهُوَ الَّذِىْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَآءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَآءُ وَلَا يَخْلَقُ عَلٰى كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِىْ عَجَائِبُهٗ هُوَ الَّذِىْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا: **اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ** مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[1]

"سن لو! میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے! میں نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول ﷺ! اِس فتنہ سے نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی کتاب"۔ اِس میں تم سے پہلی امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں اور تمہارے بعد کی اطلاعات (یعنی اعمال و اخلاق کے مستقبل میں ظاہر ہونے والے دنیوی و اخروی نتائج) بھی ہیں اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں گے اُن کا حکم اور فیصلہ (عادلانہ حل) موجود ہے، وہ فیصلہ کن کلام ہے (یعنی دنیا اور آخرت میں فیصلے اِس کی بنیاد پر ہوں گے) اور وہ فضول بات نہیں ہے، جو سرکشی کی وجہ سے اِس کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اُس کو توڑ کے رکھ دے گا اور جو قرآن کے بغیر ہدایت تلاش کرے گا، اللہ اُس کو گمراہ کر دے گا (یعنی وہ ہدایت سے محروم رہے گا)۔ قرآن ہی اللہ کی مضبوط رسّی (یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ) ہے اور وہی حکمت بھرا ذکر ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے، وہی حق مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں اور زبانیں اِس میں تحریف نہیں کر سکتیں (یعنی جس طرح پچھلی کتابوں کو محرّفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کر اُن کو تبدیل کر دیا اِس طرح قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہو سکے گی) اور علم والے کبھی اِس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبر کا عمل اور حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ ہمیش جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علم قرآن پر پورا عبور حاصل کر لیا ہے بلکہ اُن کے علم کی طلب اور بڑھتی جائے گی) اور وہ (قرآن) کثرتِ تلاوت سے کبھی پرانا نہیں

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن عن رسول اللہ، باب ما جاء فی فضل القرآن، و سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرء القرآن

ہو گا(یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد اُن کے پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا، قرآنِ مجید کا معاملہ بالکل برعکس ہے یہ جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اِس میں تدبر و تفکر کیا جائے گا اتنا ہی اِس کے لطف و لذت میں اضافہ ہو گا) اور اِس کے عجائب (یعنی دقیق ولطیف حقائق اور معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنات نے اِس کو سنا تو بے اختیار پکار اُٹھے:

اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ (الجن[72]: 1-2)

"ہم نے دل کو متاثر کرنے والا قرآن سنا ہے جو رہنمائی کرتا ہے بھلائی کی طرف

پس ہم اِس پر ایمان لے آئے"۔

جس نے قرآن کے مطابق بات کہی اُس نے سچی بات کہی اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحقِ اجر و ثواب ہوا جس نے قرآن کے مطابق فیصلہ کیا اُس نے عدل کیا اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اُس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہو گئی"۔

3) قرآنِ حکیم کیوں نازل ہوا؟

- قرآنِ حکیم نوعِ انسانی کی روحانی تسکین کے لیے نازل ہوا۔ اللہ ہمارا رب ہے۔ اُس نے جہاں ہماری مادّی ضروریات کی تسکین کا سامان کیا ہے وہیں ہماری روحانی ضروریات کو بھی پورا کیا ہے۔ بقول جگر مراد آبادی:

جھوٹی ہے ہر ایک مسرت روح اگر تسکین نہ پائے

روح اللہ کے پاس سے آئی ہے، اِس کے اندر اللہ کی قربت کا شدید میلان ہے اور اِس کی تسکین اللہ کے ذکر اور اُس کی اطاعت سے ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم نوعِ انسانی کی روحانی ضرورت پوری کرنے یعنی اُس کے لیے ہدایت کے طور پر نازل ہوا۔ Potentially قرآنِ حکیم هُدًى لِّلنَّاسِ (البقرۃ[2]: 185) یعنی ہر انسان کے لیے ہدایت ہے۔ البتہ اِس سے ہدایت صرف طلبگاروں کو ملتی ہے یعنی یہ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ہے (البقرۃ[2]: 2)۔

- قرآنِ حکیم ذریعۂ حصول ثواب و برکت بھی ہے لیکن اِس کے یہ فوائد ضمنی ہیں۔ ہمیں اِس کتاب سے بطورِ کتابِ ہدایت استفادہ کرنا چاہیئے۔

4) قرآنِ حکیم کب نازل ہوا؟

قرآنِ حکیم دو مراحل میں نازل ہوا۔ در منثور میں علامہ جلال الدین سیوطی اور جامع البیان میں امام طبری نے حضرت عبد اللہ ابنِ عباس سے نقل کیا ہے کہ پہلے مرحلہ میں قرآنِ حکیم لیلۃُ القدر میں لوحِ محفوظ سے دنیوی آسمان تک ایک ہی دفعہ میں نازل کیا گیا اور پھر دوسرے مرحلہ میں دنیوی آسمان سے نبی اکرم ﷺ پر وقفہ وقفہ سے نازل کیا جاتا رہا۔ نزولِ قرآن کے پہلے مرحلہ کو انزال اور دوسرے کو تنزیل کہا جاتا ہے۔ دوسرا مرحلہ 610 تا 632ء تک جاری رہا۔

5) قرآنِ حکیم کہاں نازل ہوا؟

قرآنِ حکیم سرزمینِ حجاز یعنی مکہ، مدینہ اور اِن شہروں کے اطراف کے علاقہ میں نازل ہوا۔ البتہ سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات نبی اکرم ﷺ کو معراج کی شب آسمان پر عطا کی گئیں۔

6) قرآنِ حکیم کیسے نازل ہوا؟

قرآنِ حکیم کا نزول نبی اکرم ﷺ کے قلبِ مبارک پر ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (البقرۃ[2]: 97)

"(اے نبی) کہہ دیجئے کہ جو کوئی دشمن ہوا حضرت جبرائیل علیہ السلام کا (تو وہ سن لے) کہ اُنہوں نے تو (اِس قرآن) کو نازل کیا ہے آپ کے قلبِ مبارک پر اللہ کے حکم سے"۔

قرآنِ حکیم کو نبی اکرم ﷺ کے مادّی وجود نے نہیں بلکہ روح الامین یعنی جبرائیل علیہ السلام سے روحِ محمدی ﷺ نے وصول کیا بقول جگر مرادآبادی:

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو   روح سنے اور روح سنائے

7) قرآنِ حکیم کے کتنے نام ہیں؟

علّامہ جلال الدین سیوطی نے " الاتقان فی علوم القرآن " میں قرآنِ حکیم کے 55 نام نقل کئے ہیں مثلاً القرآن، المصحف، الکتاب، الفرقان، الھدٰی، النور، الموعظہ، الذکر، المھیمن، الحکیم، العزیز، المبین، العلی، الکریم، المجید، احسن الحدیث وغیرہ۔

8) قرآنِ حکیم کس زبان میں نازل ہوا؟

قرآنِ حکیم دیہات کی خالص عربی زبان میں نازل ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ (النحل[16]: 103)

"اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اِس (پیغمبر) کو ایک شخص سکھلاجاتا ہے، جس شخص کی طرف اِس کی نسبت کرتے ہیں اُس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان میں ہے"۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ؕ

(الشعراء[26]: 193-195)

"اِس (قرآن) کو روح الامین لے کر اترے ہیں (اے نبی) آپ کے قلبِ مبارک پر، واضح عربی زبان میں تاکہ آپ ہو جائیں خبردار کرنے والوں میں سے"۔

9) قرآنِ حکیم کا اُسلوب کیا ہے؟

قرآنِ حکیم کا اُسلوب تقریری ہے۔ قرآنِ حکیم کی ہر سورۃ اللہ تعالیٰ کا ایک خطبہ ہے۔ خطیبانہ اُسلوب کی درج ذیل اہم خصوصیات قرآنِ حکیم کی بڑی سورتوں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں:

i. ابتدائی اور آخری حصّہ انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

ii. تحویلِ خطاب ہوتا ہے یعنی مخاطبین بدلتے رہتے ہیں اور کبھی حاضر کو غائب یا کبھی غائب کو حاضر تصور کر کے گفتگو کی جاتی ہے۔

iii. سوالات و اعتراضات کو بیان کئے بغیر اِس انداز میں جواب دیا جاتا ہے کہ سننے والا سوالات و اعتراضات کو خود ہی سمجھ لیتا ہے۔

iv. بیان میں دلیل کا کام دیتا ہے خطیب کا مقام و مرتبہ، پاکیزہ کردار اور پختہ یقین۔

قرآنِ حکیم کا اسلوب نہ عام نثر کا سا ہے اور نہ ہی شاعرانہ۔ قرآنِ حکیم میں اِس بات کی زور دار نفی کی گئی کہ قرآنِ حکیم شاعری ہے۔ سورۃ یٰس [36] آیت 69 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝۶۹

"اور ہم نے اُن (پیغمبر) کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ اُن کو شایانِ شان ہے یہ تو محض نصیحت اور واضح قرآن ہے"۔

وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝۴۱ (الحاقہ [69]:41)

"اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو"۔

10) قرآنِ حکیم کی ترتیب و تدوین کس طرح ہوئی؟

- قرآنِ حکیم کی ترتیب دو اعتبارات سے ہے۔ ایک ہے ترتیبِ نزولی جس کے اعتبار سے پہلی سورۃ "العلق" ہے جس کی ابتدائی پانچ آیات پر پہلی وحی مشتمل تھی۔ دوسری ہے ترتیبِ تلاوت جس کے اعتبار سے پہلی سورۃ "الفاتحہ" ہے۔
- ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے قرآنِ حکیم کی تدوین نزول کے ساتھ ساتھ ہوتی رہی جس کے حسبِ ذیل مراحل ہیں:

i. قرآنِ حکیم نبی اکرم ﷺ کے سینۂ مبارک میں محفوظ کر دیا گیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ آپ ﷺ ہر سال رمضان میں نازل شدہ قرآن کا ترتیب کے ساتھ دورہ فرماتے رہے۔ حیاتِ مبارکہ کے آخری سال آپ ﷺ نے دوبار حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ دورۂ قرآن فرمایا [۱]

(۱) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، بَاب کَانَ جِبْرِيلُ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ

ii. نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ کرام کی کثیر تعداد کو قرآنِ حکیم حفظ کروایا۔

iii. آپ ﷺ سورتوں اور آیات کے مقام کے تعین کے ساتھ قرآنِ حکیم کی کتابت بھی کراتے رہے۔ یہ کتابت پتھر کی پتلی تختیوں، چمڑے کے پتلے ٹکڑوں، درخت کی چھالوں اور چوڑی ہڈیوں پر کی جاتی رہی۔ البتہ آپ ﷺ کے دور میں مکمل قرآنِ حکیم، ایک کتابی نسخے کی صورت میں جمع نہیں کیا گیا۔

iv. حضرت ابو بکر صدیق کے دورِ خلافت میں قرآنِ حکیم کو کتابی صورت میں یکجا کیا گیا۔ یہ عظیم کام حضرت زید بن ثابت کی قیادت میں ایک کمیٹی نے کیا۔

v. حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں حضرت زید بن ثابت ہی کی قیادت میں ایک کمیٹی نے قرآنِ حکیم کو قریش کے لہجہ کے مطابق ایک رسم الخط میں تحریر کیا اور اِس کی سات نقول اہم شہروں میں بطور Reference رکھوادی گئیں۔

vi. قرآنِ حکیم قیامت تک کے لیے محفوظ ہے کیوں کہ اِس کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝۹ (الحجر[15]:9)

"بے شک ہم ہی نے یہ "ذِکر" اتارا ہے اور ہم ہی اِس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

ہر دور میں لاکھوں افراد کا حافظِ قرآن ہونا، حفاظتِ قرآن کا ایک حیرت انگیز ذریعہ ہے۔

11) قرآنِ حکیم کی ترکیب و تقسیم کیا ہے؟

- قرآنِ حکیم کی سب سے چھوٹی اکائی آیت ہے۔ آیات کی تعداد 6236 ہے۔ جن فقہا کے نزدیک "بِسۡمِ اللہ" کا کلمہ ہر سورۃ کا جزو ہے، اُن کے نزدیک اس کلمہ کی شمولیت سے آیات کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔ دورِ نبوی ﷺ میں آیات کی ترکیب سے سورتوں کو مرتب کیا جاتا رہا۔ سورتوں کی تعداد 114 ہے۔ بعد ازاں سورتوں کی ترکیب سے منازل یا احزاب کا تعین کیا گیا جن کی تعداد 7 ہے۔ اِس تعداد کی حکمت یہ ہے کہ روزانہ ایک منزل

کی تلاوت کی جائے تا کہ ایک ہفتہ میں تلاوتِ کلامِ پاک کی تکمیل ہو سکے۔ آیات اور سورتوں کی طرح منازل کا تعین بھی اللہ کے رسول ﷺ نے بذاتِ خود فرمایا۔

- دورِ صحابہ کے بعد سورتوں کو رکوعوں میں تقسیم کر دیا گیا تا کہ نماز کی ایک رکعت میں کسی بڑی سورۃ کا اتنا حصّہ تلاوت کیا جا سکے جس میں ایک مضمون کی تکمیل ہوتی ہو۔ رکوعوں کی کل تعداد 558 ہے۔ اِسی طرح پورے قرآنِ حکیم کو 30 پاروں میں تقسیم کیا گیا تا کہ ایک ماہ میں تلاوتِ کلامِ پاک کی تکمیل ہو سکے۔
- پچھلی صدی کے آغاز میں مولانا امین احسن اصلاحی کے استاد مولانا حمید الدین فراہی نے اِس نکتہ پر غور کیا کہ قرآنِ حکیم میں مکی اور مدنی سورتیں ایک ساتھ کیوں نہیں ہیں۔ اِس غور و فکر کے دوران اُن پر انکشاف ہوا کہ قرآنِ حکیم میں مکی اور مدنی سورتوں کے 7 گروپ ہیں۔ ہر گروپ کے شروع میں ایک یا ایک سے زائد مکی سورتیں ہیں اور پھر ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتیں ہیں۔ ہر گروپ کا ایک خاص مرکزی موضوع ہے۔ اِن سات گروپس کی تفصیلات کچھ اِس طرح سے ہیں:

گروپ	مکی سورتیں	تعداد	مدنی سورتیں	تعداد	موضوعات
پہلا	الفاتحة	1	البقرة ـ المائدة	4	احکاماتِ شریعت
دوسرا	الانعام ـ الاعراف	2	الانفال ـ التوبة	2	ایمان بالرسالت
تیسرا	یونس ـ المؤمنون	14	النور	1	ایمان بالرسالت
چوتھا	الفرقان ـ السجدة	8	الاحزاب	1	ایمان باللہ
پانچواں	سبا ـ الاحقاف	13	محمد ـ الحجرات	3	ایمان باللہ
چھٹا	ق ـ الواقعه	7	الحديد ـ التحريم	10	ایمان بالآخرت
ساتواں	الملك ـ الاخلاص	46	الفلق ـ الناس	2	ایمان بالآخرت

12) قرآنِ حکیم کے فہم سے کیا مراد ہے؟

فہمِ قرآنِ حکیم کے مختلف پہلو ہیں:

- **تذکر اور تدبر** :

فہمِ قرآن کے اِن دونوں پہلوؤں کا ذکر سورۃ ص[38] کی آیت 29 میں وارد ہوا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

"(یہ قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کی ہے تاکہ لوگ اِس کی آیات پر تدبر کریں اور سمجھ دار لوگ اِس سے نصیحت حاصل کریں"۔

تذکر کے معنی ہیں یاددہانی حاصل کرنا یا نصیحت اخذ کرنا۔ قرآن مجید کی کسی سورۃ یا آیت پر سرسری غور و فکر کرکے اُس میں بیان کیے گئے مضامین کا لبِّ لباب یعنی Central Idea اور اخلاقی و عملی ہدایت (Moral Lesson) سمجھ لینا اور اُس سے یہ بنیادی رہنمائی حاصل کرنا کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا "تذکر بالقرآن" کہلاتا ہے۔ تذکر بالقرآن کی ضرورت ہر انسان کو ہے خواہ وہ عوام میں سے ہو یا خواص میں سے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ تذکر کے اعتبار سے قرآنِ حکیم انتہائی آسان اور واضح کتاب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ (القمر[54]: 17، 22، 32، 40)

"اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو یاددہانی کے لیے تو کوئی ہے جو اِس سے یاددہانی حاصل کرے"۔

تذکر کے اعتبار سے قرآن حکیم اِس لیے آسان ہے کہ اِس کا موضوع اور اساسی مضامین فطرتِ انسانی کے جانے پہچانے ہیں اور سلیم الطبع انسان کو اپنے باطن کی آواز محسوس ہوتے ہیں۔ پھر قرآنِ حکیم کا طرزِ استدلال بڑا ہی فطری و سادہ اور اِس کی زبان فصاحت و بلاغت کی معراج ہونے کے باوجود عام طور پر انتہائی آسان ہے۔ مشکل مضامین کو سبق آموز واقعات اور دل نشین مثالوں کے ذریعہ آسان

بنادیا گیا ہے۔ اگر اتنی عربی سیکھ لی جائے جس سے براہِ راست قرآنِ مجید کا ترجمہ سمجھا جاسکے تو اِس سے کسی درجہ میں تذکر کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ سمجھ سمجھ کر آیاتِ قرآنی کی تلاوت سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے احکامات کی یاد دہانی اِسی طرح حاصل ہوتی ہے جس طرح کسی دوست کا تحفہ یا نشانی دیکھ کر وہ دوست یاد آجاتا ہے۔

تدبر کے معنی ہیں گہرا غور و فکر۔ قرآنِ حکیم کے کسی حصّہ پر گہرا غور و فکر کرکے اِس کے مضامین میں پوشیدہ حکمت و فلسفہ کو سمجھ لینا "تدبر فی القرآن" کہلاتا ہے۔ "تذکر" کے اعتبار سے قرآن مجید جس قدر آسان ہے "تدبر" کے پہلو سے اتنا ہی مشکل۔ بلاشبہ قرآنِ مجید ایک ایسی وسیع و عمیق کتاب ہے کہ پوری زندگی کھپا کر بھی تدبر کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اِس سمندر میں اترنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ نہ اِس کی گہرائیوں کا اندازہ ممکن ہے اور نہ ہی اِس کے کناروں کا سراغ مل سکتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ حضراتِ مفسرین نے قرآن حکیم کے علم و حکمت کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کے لیے پوری پوری زندگیاں صرف کرنے اور ضخیم سے ضخیم تفاسیر لکھنے کے باوجود اِس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ اُنہوں نے تدبر قرآن کا حق ادا کر دیا یا اِنہیں فہم قرآن پر عبور حاصل ہو گیا۔

تدبرِ قرآن کی کٹھن منزل تک رسائی کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی تعلیم و تعلّمِ قرآن کے لیے وقف کر دے۔ اِس کے لیے عربی زبان کے قواعد کا پختہ اور گہرا علم، عربی ادب کا ستھرا ذوق، عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا عمیق فہم، نظم قرآن اور اِس کی حکمت پر گہری نظر، احادیثِ مبارکہ اور قدیم صحفِ آسمانی کا تفصیلی مطالعہ اور پچھلے دور کے مفسرین کی کاوشوں پر ایک تحقیقی نگاہ ضروری ہے۔ پھر ہر دور کے جدید علوم کا مطالعہ بھی کرنا پڑے گا تاکہ اِن علوم کے ذریعہ پیدا ہونے والے اشکالات کا مدلل جواب دیا جاسکے اور نئے نئے مسائل کا قرآن و سنت کی روشنی میں حل پیش کیا جاسکے۔

تدبرِ قرآن مشکل ضرور ہے لیکن اِس کی اہمیت و ضرورت اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کیوں کہ اِس کی وجہ سے:

i. قرآنِ حکیم کے مضامین کی حکمت و عجائبات سمجھ میں آتے ہیں جن سے انسان کا ایمان شعوری سطح پر پہنچ جاتا ہے اور وہ یقینِ قلبی حاصل ہوتا ہے جس سے اِس کتاب کی عظمت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔

ii. معاشرے کے ذہین اور سوچنے سمجھنے والے عناصر کو، جو از خود معاشرے کی قیادت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں، قرآنِ حکیم کی تعلیمات سے متاثر کیا جاسکتاہے اور اُن کے ذہنوں میں اٹھنے والے یا جدید علوم کی وجہ سے پیدا ہونے والے سوالات کا جواب دیا سکتاہے۔

iii. مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق جدید نظریات اور تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں تشکیل پانے والے اداروں کے صحیح و غلط اجزاء کو چھانٹ کر علیحدہ کیا جاسکتاہے اور عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن و سنت کی روشنی میں اسلام کا عادلانہ اور قابل عمل نظام مرتب کیا جاسکتاہے۔

اِسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ (محمد[47]: 24)

"تو کیا وہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے یا دلوں پر لگے ہوئے ہیں اُن کے تالے؟"

- ## محکم اور متشابہ آیات :

قرآنِ حکیم میں کچھ آیات کا مفہوم بہت سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ وہ آیات ہیں جن میں احکامات یعنی اوامر و نواہی (Dos & Don'ts) بیان کیے گئے ہیں۔ اِنہیں محکمات کہا جاتاہے۔ ہمارے غور و فکر کا ارتکاز انہیں آیات پر ہونا چاہیئے۔ کچھ دوسری آیات ہیں جن کے مضامین کی اصل حقیقت اللہ ہی جانتاہے اور اِسے سمجھنے سے ہماری عقلیں عاجز ہیں۔ ایسی آیات کو متشابہات کہا جاتاہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (آلِ عمران 3: 7)

"وہی تو ہے (اللہ) جس نے آپ پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تا کہ فتنہ برپا کریں اور اُن آیات کی مرادِ اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ اُن کی مرادِ اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں پختگی رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اُن پر ایمان لائے۔ یہ سب آیات ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں"۔

گویا جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہوتا ہے وہ آیاتِ متشابہات کو غور و فکر کا موضوع بناتے ہیں اور اِن کے مضامین کی عقلی توجیہات کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ درست روش یہ ہے کہ ہم ایمان بالغیب کا اظہار کرتے ہوئے اِن آیات کی حقانیت کی بھی صدقِ دل کے ساتھ تصدیق کریں اور اللہ سے دعا کرتے رہیں:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَيْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۝ (آلِ عمران 3: 8)

"اے اللہ جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اُس کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دینا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے"۔

- **تاویلِ خاص اور تاویلِ عام:**

قرآنِ حکیم کی آیات اکثر و بیشتر کسی خاص پس منظر میں اور کسی شانِ نزول کے ساتھ نازل ہوئی ہیں۔ آیات کا اُن کے پس منظر اور شانِ نزول کی روشنی میں سمجھنا تاویلِ خاص کہلاتا ہے۔ البتہ چوں کہ قرآنِ حکیم ہر دور کے لیے ہدایت ہے، باالفاظِ قرآنی:

لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ كِتٰبًا فِيۡهِ ذِكۡرُكُمۡ‌ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (الانبیاء[21]:10)

"ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم نہیں سمجھتے؟"

لہٰذا قرآنِ حکیم کی آیات میں ایک عمومی مفہوم بھی ہوتا ہے جس کا فہم تاویلِ عام کہلاتا ہے۔ تاویلِ خاص کے ساتھ ساتھ تاویلِ عام کا فہم، قرآنِ حکیم کی عظمت کا نقش دل پر قائم کرتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم وہ "کتابِ زندہ" ہے جو ہر دور کے مسائل کے حوالے سے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

- **عقائد اور اوامر و نواہی کا فہم**:

قرآنِ حکیم میں عقائد اور زندگی کے مختلف شعبہ جات کے حوالے سے جو اوامر و نواہی دیے گئے ہیں، اِن کے فہم کے لیے ہمیں احادیث مبارکہ، سنت نبوی ﷺ، اقوال و آثارِ صحابہؓ کرام اور سلفِ صالحین کی تعلیمات اور عمل سے رہنمائی لینی چاہیئے تاکہ ہم انکارِ حدیث اور استخفافِ سنت کے فتنہ سے محفوظ رہ سکیں، بقولِ شاعر:

زاجتہادِ عالمانِ کم نظر　　　اقتداءبررفتگاں محفوظ تر

- **سائنسی حقائق کا فہم**:

قرآنِ حکیم میں بعض سائنسی حقائق بھی بیان کیے گئے ہیں یا اُن کی طرف اشارے کیے گئے ہیں۔ اُن کے فہم کے لیے ہمیں جدید سے جدید تحقیقات سے اِستفادہ کرنا ہوگا۔

- **قرآن حکیم کا اصل فہم**:

قرآنِ حکیم کا اصل فہم تو اِسی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے جبکہ دینِ حق کے غلبے کے لیے اِسی طرح کی جدوجہد کی جائے جس طرح کی جدوجہد کے دوران مختلف معاملات میں رہنمائی کے لیے قرآنِ حکیم نازل ہوتا رہا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا (العنکبوت[29]:69)

"جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنے راستوں کی ہدایت دیتے ہیں"۔

مولانا مودودی نے "تفہیم القرآن" کے مقدمہ میں اِس نکتہ کی خوب وضاحت فرمائی ہے:

"لیکن فہمِ قرآن کی اِن ساری تدبیروں کے باوجود آدمی قرآن کی روح سے پوری طرح آشنا نہیں ہونے پاتا جب تک کہ عملاً وہ کام نہ کرے جس کے لیے قرآن آیا ہے۔ یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ آپ آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر اِسے پڑھیں اور اِس کی ساری باتیں سمجھ جائیں۔ یہ دنیا کے عام تصورِ مذہب کے مطابق ایک نِری مذہبی کتاب بھی نہیں ہے کہ مدرسے اور خانقاہ میں اِس کے سارے رموز حل کر لیے جائیں۔ یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اِس نے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشۂ عزلت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ باطل کے خلاف اِس سے آواز اٹھوائی اور وقت کے علمبردارانِ کفر و فسق و ضلالت سے اِس کو لڑا دیا۔ گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کر لائی اور داعیٔ حق کے جھنڈے تلے اِن سب کو اکٹھا کیا۔ گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اٹھایا اور حامیانِ حق سے اِن کی جنگ کرائی۔ ایک فردِ واحد کی پکار سے اپنا کام شروع کر کے خلافتِ الٰہیہ کے قیام تک پورے 23 سال یہی کتاب اِس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کرتی رہی اور حق و باطل کی اِس طویل و جاں گسل کشمکش کے دوران ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلہ پر اِسی نے تخریب کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بتائے۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاعِ کفر و دین اور معرکۂ اِسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اِس کشمکش کی کسی منزل سے گزرنے کا آپ کو اتفاق ہی نہ ہوا ہو اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اِس کی ساری

حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں۔ اِسے تو پوری طرح آپ اُسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اِسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کریں اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جائے اِسی طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں۔ تب وہ سارے تجربات آپ کو پیش آئیں گے جو نزولِ قرآن کے وقت پیش آئے تھے"۔

13) قرآنِ حکیم کے ایک مسلمان پر کیا حقوق ہیں؟

i. ایمان و تعظیم یعنی دل کی گہرائیوں سے ماننا کہ قرآنِ حکیم اللہ کا کلام ہے۔

ii. تلاوت یعنی آداب کے ساتھ روزانہ قرآنِ حکیم پڑھنا۔

iii. تفہیم یعنی قرآنِ حکیم کو سمجھنا اور اِس پر غور و فکر کرنا۔

iv. عمل یعنی قرآنِ حکیم کے احکامات پر انفرادی زندگی میں عمل کرنا اور اجتماعی زندگی میں ان کے نفاذ کے لیے کوشش کرنا۔

v. تبلیغ یعنی قرآنِ حکیم کی تعلیمات دوسروں تک پہنچانا۔

اللہ والے کون ہیں؟

اَهْلُ الْقُرْاٰنِ اَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهٗ (۱)

"قرآن والے ہی اللہ والے ہیں اور اُس کے مقرّبین ہیں"۔

(۱) سنن ابن ماجه، باب فضل من تعلم القرآن، عن انس ابن مالك

منتخب نصاب حصّہ اوّل

درسِ اوّل: سورۃ العصر "لوازمِ نجات"

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۵ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

ترجمہ:

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ قسم ہے تیزی سے گزرتے ہوئے زمانے کی ... اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ بے شک تمام انسان واقعی خسارے میں ہیں ... اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... سوائے اُن کے جو ایمان لائے ... وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ... اور جنہوں نے اچھے عمل کیے ... وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ... اور باہم مل کر حق کی تاکید کی ... وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ اور باہم مل کر صبر کی تلقین کی۔

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ اوّل کا درسِ اوّل سورۃ العصر کے تفصیلی بیان پر مشتمل ہے۔
2. سورۃ العصر قرآنِ حکیم کی مختصر ترین سورتوں میں سے ایک ہے۔ قرآنِ حکیم کی سورتوں اور آیات کا حجم (Size) توقیفی امور میں سے ہے یعنی اِس کے تعین کا کوئی قاعدہ نہیں اور یہ نبی کریم ﷺ کے بتانے پر موقوف ہے۔ قرآنِ حکیم کی کوئی سورۃ تین آیات سے کم پر مشتمل نہیں۔ نیز تین آیات پر مشتمل تین ہی سورتیں ہیں العصر، الکوثر اور النصر۔ ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قرآنِ حکیم کی تلاوت کا کم سے کم نصاب بھی تین ہی آیات پر مشتمل ہے۔
3. زمانۂ نزول کے اعتبار سے سورۃ العصر قرآنِ حکیم کی اوّلین سورتوں میں سے ایک ہے۔ قرآنِ حکیم کی ترتیبِ نزولی اور ترتیبِ مصحف یعنی ترتیبِ تلاوت مختلف ہیں، البتہ دونوں کا تعین خود

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قرآن حکیم کی جو سورتیں ابتدائی دور میں نازل ہوئیں وہ انتہائی محکم (Profound)، جامع لیکن مختصر ہیں۔ البتہ ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن حکیم کے بالکل آخری حصّہ میں ہیں۔ نزول کے اعتبار سے جو سورتیں بعد میں نازل ہوئیں وہ ابتدائی سورتوں کی تشریح و تفصیل پر مشتمل ہیں۔ اِس اُسلوب کا ذکر سورۃ ھود[11] کی پہلی آیت میں اِس طرح سے کیا گیا:

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝

"(قرآنِ حکیم) وہ کتاب ہے جس کی آیات (دلائل سے) محکم کی گئیں پھر اُن کی وضاحت کی گئی ایک داناو باخبر ہستی (یعنی اللہ) کی طرف سے"۔

4. سورۃ العصر کی عظمت کا اندازہ امام شافعیؒ کے شدّتِ تاثر پر مبنی دو اقوال سے کیا جاسکتا ہے:

لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ (۱)

"اگر لوگ اِس سورۃ پر غور کریں تو وہ اِسی میں پوری رہنمائی اور کامل ہدایت پالیں گے"۔

لَوْ لَمْ يُنَزَّلْ مِنَ الْقُرْاٰنِ سِوَاهَا لَكَفَتِ النَّاسُ (۲)

"اگر قرآنِ حکیم میں سوائے اِس سورہ مُبارکہ کے اور کچھ بھی نہ نازل ہوتا تو صرف یہ سورۃ ہی لوگوں (کی ہدایت) کے لیے کافی ہوتی"۔

اِس قول سے یہ مغالطہ لاحق نہیں ہونا چاہیئے کہ معاذ اللہ سورۃ العصر کے علاوہ بقیہ قرآن محض اضافی ہے اور اُس کے نزول کی ضرورت نہ تھی۔ در حقیقت قرآنِ حکیم سورۃ العصر میں بیان شدہ ہدایت کے نکات کی تشریح ہے اور نوعِ انسانی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حد درجہ رحمت و شفقت کا مظہر ہے۔ اِس کا اندازہ کسی درجہ میں ہمیں اِس مثال سے ہو سکتا ہے کہ ایک شفیق استاد کوئی بات اپنے طلباء کو ذہن نشین کرانا چاہتا ہے تو طرح طرح کے اسالیب، مثالوں اور واقعات سے اُس کی وضاحت کرتا ہے۔ گویا یہ اللہ کی رحمت اور کرم ہے کہ اُس نے تفصیلی

(۱) تفسیر ابن کثیر، سورۃ العصر

(۲) تفسیر محمد عبدہؒ

ہدایت کے لیے ہمیں مکمل قرآنِ حکیم جیسی نعمت عطا فرمائی۔ سورۃ العصر کی اہمیت حضرت ابو مدینہ دارمی کے اِس قول سے بھی ہوتی ہے:

كَانَ الرَّجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الْتَقَيَا لَمْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَقْرَأَ أَحَدُهُمَا عَلَى الآخَرِ: وَالْعَصْرِ إِنَّ الإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ، ثُمَّ يُسَلِّمَ أَحَدُهُمَا عَلَى الآخَرِ (۱)

"نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے دو حضرات ایسے تھے کہ جب باہم ملاقات فرماتے تو اُس وقت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے جب تک اُن میں سے ایک دوسرے کو سورۃ العصر نہ سنالیتا۔ اِس کے بعد ہی اُن میں سے ایک دوسرے کو الوداعی سلام کہتا"۔

5. سورۃ العصر قرآن مجید کے مقصد نزول کے اعتبار سے جامع ترین سورۃ ہے۔ قرآن مجید کا مقصد نزول اور اِس کی تعلیمات کا موضوع ہے "ہدایت"۔ ہدایت اِس دنیا میں انسان کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ ہدایت ہے تو دنیا کی دوسری نعمتوں کا استعمال بھی درست ہو گا اور انسان کے لیے فوز و فلاح اور ترقیٔ درجات کا باعث بنے گا۔ ہدایت نہ ہونے کی صورت میں بڑی سے بڑی نعمت کا استعمال غلط رخ پر ہو گا اورانسان کی جواب دہی کو مشکل تر کر دے گا۔ سورۃ العصر میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اختصار لیکن حد درجہ جامعیت کے ساتھ انسانوں کے لیے ہدایت یعنی فوز و فلاح کا راستہ اور ابدی خسارے سے نجات کی راہ بیان فرمادی ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ پورا قرآنِ حکیم ہدایت کا شجرِ طیبہ ہے اور سورۃ العصر اِس کا بیج۔ جس طرح بیج میں پورا درخت پنہاں ہوتا ہے اِسی طرح سورۃ العصر میں پورا قرآنِ حکیم موجود ہے۔

6. قرآنِ حکیم کی آخری منزل کی سورتوں میں سے اکثر کا موضوع ہے انذارِ آخرت اور سورۃ العصر اِس موضوع کا نقطۂ عروج ہے۔ اِس سورۃ کی دوسری آیت میں ایک عام قاعدہ بیان کر دیا گیا کہ تمام کے تمام انسان خسارے میں ہیں۔ خسارے سے بچنے کے لیے قرآنِ حکیم میں عام طور پر دو شرائط کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی ایمان اور عملِ صالح، لیکن اِس سورۃ کی تیسری آیت میں چار شرائط کا ذکر کیا گیا ہے۔ گویا عملِ صالح کی وضاحت کی گئی کہ اِس میں نہ صرف خود حق

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، باب قطعة من المفقود

پر ڈٹے رہنا بلکہ حق کی تبلیغ کرنا اور اِس کے نتیجہ میں سامنے آنے والے ردِّ عمل کو برداشت کرنا بھی شامل ہے۔

7. ادبی اعتبار سے سورۃ العصر "سہلِ ممتنع" کا شاہکار ہے یعنی ایک ایسا ادب پارہ ہے جس میں انتہائی دقیق و اعلیٰ علمی مضامین نہایت سادہ الفاظ میں بیان کر دیے گئے ہیں، گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہو۔ بقولِ شاعر:

گنجینۂ معنی کا طلسم اِس کو سمجھیو
جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں آوے

غالب کے اشعار کے لیے یہ دعویٰ درست ہو یا نہ ہو لیکن اللہ کے کلام کے لیے یہ بات صد فیصد درست ہے۔

8. سورۃ العصر کو اساسی مباحثِ قرآن کے لیے اشاریہ (Index) بھی قرار دیا جا سکتا ہے کیوں کہ اِس سورۃ میں وارد چھ کلمات یعنی العصر، خسر، ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر قرآنِ حکیم کے جملہ مضامین کے عنوانات ہیں۔ قرآنِ حکیم میں بیان کیے گئے تاریخی حقائق و واقعات کے لیے جامع عنوان ہے "العصر"۔ لفظ "خسر" انسانوں کے دنیوی و اخروی خسارے کا عنوان ہے جس کی تفصیل قرآن میں جا بجا بیان ہوئی۔ توحید، رسالت، آخرت وغیرہ سے متعلق عقائد کا بیان اور انسان کے فکر و عمل پر ان کے ذریعہ مرتب ہونے والے اثرات کے بیان پر مشتمل ایمانی مباحث کے لیے عنوان کی حیثیت لفظ "ایمان" کو حاصل ہے۔ "عملِ صالح" کی اصطلاح بنیادی انسانی اخلاقیات سے لے کر حقوق اللہ، حقوق العباد، عبادات، معاملات اور جملہ احکاماتِ شریعت کا احاطہ کرتی ہے۔ تواصی بالحق عنوان ہے دعوت، تبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مباحث کا۔ اِسی طرح جہاد و قتال فی سبیل اللہ اور اِن کے ضمن میں صبر و مصابرت کی تلقین پر مشتمل مضامین تواصی بالصبر کے ذیل میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ "ایمان"، "عملِ صالح"، "تواصی بالحق" اور "تواصی بالصبر" کی اصطلاحات کی وضاحت قرآنِ حکیم میں جس تفصیل کے ساتھ وارد ہوئی ہے، اُسی کا کسی درجہ میں مطالعہ، ہم منتخب نصاب کے دروس کے ذریعہ کریں گے۔

سورۂ مبارکہ پر غور و فکر

قرآنِ حکیم پر غور و فکر کے دو درجے:

قرآنِ حکیم پر غور و فکر کے دو درجے ہیں یعنی تذکر اور تدبر۔ تذکر سے مراد ہے قرآنِ حکیم کے کسی حصّہ پر سرسری غور کر کے اُس میں بیان کیے گئے مضامین کا لبِّ لباب یعنی Central Idea اور اخلاقی و عملی ہدایت یعنی Moral & Practical guidance کو سمجھ لینا۔ تدبر کا مفہوم ہے قرآنِ حکیم کے کسی حصّہ پر گہرا غور و فکر کر کے اِس کے مضامین میں پوشیدہ حکمت و فلسفہ کو سمجھ لینا۔ تذکر کے اعتبار سے قرآنِ مجید ایک بہت آسان اور واضح کتاب ہے۔ اِس حقیقت کو سورۃ القمر[54] میں چار مرتبہ بیان کیا گیا:

وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ (آیات:17،22،32،40)

"اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو یاد دہانی کے لیے تو کوئی ہے جو اِس سے یاد دہانی حاصل کرے"۔

تدبر کے پہلو سے قرآنِ مجید ایک ایسی وسیع و عمیق کتاب ہے کہ پوری زندگی کھپا کر بھی تدبر کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم پر تدبر نہ کرنے والوں کو بڑے سخت انداز میں جھنجھوڑا ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰى قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا ﴿۲۴﴾ (سورۃ محمد[47]:24)

"تو کیا وہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے یا دلوں پر تالے لگ رہے ہیں"۔

سورۃالعصر پر غور و فکر بطریقِ تذکر

سورۃ العصر کی تین آیات پر اگر سرسری غور و فکر کیا جائے تو پانچ امور بالکل واضح طور پر محسوس ہوتے ہیں:

1. اِس سورۃ میں زورِ کلام بہت نمایاں ہے اور انتہائی تاکیدی اُسلوب میں اِس حقیقت سے خبردار کیا گیا ہے کہ ہر انسان شدید ترین خسارے سے دوچار ہونے والا ہے سوائے اِس کے کہ وہ نجات کی چار شرائط پوری کر دے۔ یوں تو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی فرمائی ہوئی ہر بات اپنی صداقت اور حقانیت پر بذاتِ خود دلیلِ کامل ہے لیکن اللہ نے قسم کھا کر سورۃ العصر میں بیان شدہ حقیقت کو زورِ کلام

اور حد درجہ تاکید عطا کر دی ہے۔ پھر دوسری آیت میں لفظ "اِنَّ" (بے شک) اور "فِیْ" سے قبل "لام تاکید" کے استعمال نے تو پورے مضمون کو انتہائی مؤکّد کر دیا ہے۔

2. اِس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی کامیابی و ناکامی کا اصل معیار واضح فرمایا ہے۔ ہر انسان کے سامنے کامیابی اور ناکامی کا ایک معیار ضرور ہوتا ہے، اِسی کے مطابق وہ اپنے لیے مقصد زندگی کا انتخاب کرتا ہے اور پھر اِسی کے اعتبار سے اُس کی دنیا کی زندگی کی محنت و مشقت اور جدوجہد کا رخ متعین ہوتا ہے۔ ہم اگر تاریخِ انسانی پر غور کریں، اپنے گردو پیش کا جائزہ لیں اور خود اپنے اندر جھانک کر دیکھیں تو محسوس ہوگا کہ اکثر و بیشتر انسانوں کے سامنے کامیابی و ناکامی کا معیار مال و دولت، زمین و جائیداد، حیثیت و وجاہت، اقتدار و دبدبہ، عزت و شہرت وغیرہ ہیں۔ انسانوں کی اکثریت ان ہی چیزوں کے حصول کے لیے اپنی ساری محنت و مشقت صرف کرتی ہے۔ جس کے پاس یہ چیزیں ہوں اُسے کامیاب سمجھا جاتا ہے اور جس کے پاس نہ ہوں اُسے ناکام۔ بعض اوقات تو حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز ختم کر کے ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے پورا زور صرف کر دیا جاتا ہے۔ پھر ان چیزوں کے حامل انسان کی دنیا میں عزت کی جاتی ہے خواہ وہ سیرت و کردار کے اعتبار سے کتنا ہی گھٹیا ہو اور غریبوں، بے کسوں اور یتیموں کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی خواہ وہ سیرت و کردار کی کیسی ہی بلندی پر ہوں۔

دنیا میں عام طور پر جن چیزوں کو کامیابی و ناکامی کا معیار سمجھا گیا ہے اُن میں سے سب سے زیادہ اہمیت روپیہ پیسہ اور مال و دولت کے حصول کو دی جاتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ہمیں اکثر انسان امتحانِ زندگی میں مال کی محبت کی وجہ سے ناکام ہوتے نظر آتے ہیں۔ اِسی لیے سورۃ العصر میں اللہ نے کامیابی و ناکامی کا معیار بتایا لیکن اِس سے قبل سورۃ التکاثر میں اور اِس کے بعد سورۃ الھمزۃ میں مال و دولت کو محبوب رکھنے والوں کے لیے شدید وعیدیں بیان کیں۔

سورۃ العصر میں یہ عظیم حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسانی کی کامیابی کا انحصار چار شرائط پر ہے یعنی ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ جس شخص نے یہ شرائط پوری کیں وہ کامیاب

ہے خواہ وہ کسی محل میں رہنے والا بادشاہ ہو یا کسی جھونپڑی میں بسنے والا فقیر۔ اِس کے برعکس جو ایسا نہیں کرتا وہ ایک ناکام، نامراد اور خائب و خاسر انسان ہے چاہے اُس کے پاس قارون کی سی دولت ہو یا فرعون و نمرود کی سی بادشاہی۔ اِسی طرح وہی شخص کامیاب اور بامراد ہے جو مطلوبہ شرائط پوری کرتا ہے خواہ وہ مال و دولت کے اعتبار سے تہی دست ہو، اُسے فاقوں کا سامنا ہو، اُس کے پاس سر چھپانے کے لیے جگہ نہ ہو، دنیا میں غیر معروف اور گمنام ہو اور کوئی اُسے پوچھتا تک نہ ہو۔

مندرجہ بالا حقیقت کو تسلیم کرنا آسان لیکن اِس پر دل کا ٹھک جانا بہت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ہر ملاقات میں ایک دوسرے کو یہ سبق سنایا کرتے تھے تاکہ بار بار اِس کی یاد دہانی ہوتی رہے۔ البتہ جس انسان کا دل اِس حقیقت پر ٹھک جائے، اُس کی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔ دنیا کا ساز و سامان جسے وہ پہلے اہم ترین سمجھتا تھا اب انتہائی حقیر نظر آنے لگتا ہے اور اُس کی نگاہ میں دنیا و مافیہا کی حقیقت اللہ کی رضا اور آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں مچھر کے پر سے بھی کم ہو جاتی ہے۔

3. اِس سورۃ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہماری نجات کے لیے چار شرائط بیان فرمائی ہیں۔ نجات کے حصول کے لیے چاروں شرائط ضروری ہیں اور کسی ایک کو بھی ساقط نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں کہ اِس میں کچھ الفاظ کا اضافہ محض زیبِ داستاں کے لیے یا ردیف و قافیہ کی ضرورت کے تحت یا صرف مبالغہ آمیزی کی خاطر کر دیا گیا ہو۔ اگر ان چاروں چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی ساقط کر دیا تو نجات کی ذمہ داری قرآنِ حکیم پر نہیں رہے گی۔ بالکل ایسے ہی جیسے اگر کوئی ماہر معالج کسی مریض کو چار ادویات پر مشتمل نسخہ لکھ کر دے اور مریض اپنی مرضی سے کسی ایک دوا کو کم کر دے تو اب اُس نسخہ کی ذمہ داری معالج پر نہیں ہو گی بلکہ خود مریض پر ہو گی۔

آج مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت محض نسلی مسلمان ہونے اور ایمان کے صرف زبانی اقرار کی وجہ سے خود کو جنت کا حق دار سمجھتی ہے اور غیر مسلموں کو انتہائی حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

بقولِ اقبال:

خبر نہیں کیا ہے نام اِس کا خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

تقدیر نے ہمیں مسلمانوں کے ہاں پیدا کیا اور محض اِسی بنیاد پر ہم نجات کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ عمل کو ترقیٔ درجات کا ذریعہ اور اضافی نیکی سمجھتے ہیں۔ حق کی دعوت دینا اور اِس راہ کی مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا تو ہمارے فرائض کی فہرست ہی سے خارج ہے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات کوٹ کوٹ کر ڈالی جائے کہ نجات کے لیے عمل صالح ناگزیر ہے اور اِس سے آگے بڑھ کر حق کی دعوت دینا اور اِس راہ کی تمام مشکلات پر ثابت قدم رہنا نجاتِ اخروی کے لیے لازمی و لابدی ہے ۔ جب تک یہ حقیقت ذہنوں میں راسخ نہیں ہوتی ہماری بے عملی، جمود اور عمل سے گریز اور فرار کی روش کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

4. اِس سورۃ میں کامیابی کی بلند ترین منازل یا فوز و فلاح کے اعلیٰ مراتب کا نہیں بلکہ ناکامی سے بچنے اور نجات حاصل کرنے کے لیے کم از کم اور ناگزیر شرائط کا بیان ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تمام انسانوں کو ناکام قرار دے رہا ہے۔ کامیاب صرف وہ ہیں جو چاروں شرائط پوری کریں۔ گویا یہاں اے ون یا اے گریڈ میں کامیاب ہونے کا نہیں بلکہ محض آخری درجے میں پاس ہونے کے لیے ان تقاضوں کا بیان ہے جن کے بغیر نجاتِ اخروی کی توقع ہی نہیں۔ ہاں جو ان تقاضوں کی ادائیگی میں زیادہ سے زیادہ قربانی دے گا اور عزیمت کی راہ اختیار کرے گا، اُس کے درجات بلند ہوتے چلے جائیں گے۔

5. غور کیا جائے تو محسوس ہو گا کہ سورۃ العصر میں دراصل ایک معقول اور صاحبِ کردار انسان کی روش اور طرزِ عمل کا بیان ہے۔ ایک معقول آدمی وہ ہے کہ جب اُس کے سامنے کوئی بات رکھی جائے تو اُسے سنے، مصلحتوں اور تعصبات سے بالاتر ہو کر اُس پر غور کرے اور اگر دل گواہی دے کہ بات درست ہے تو اُسے مان لے۔ مان لینے کے بعد معقول طرزِ عمل یہ ہے کہ اُس پر

عمل کرے۔ پھر دوسروں سے محبت اور خلوص کا تقاضا ہے کہ وہ بات اُن تک بھی پہنچائے۔ اِس بات کی تبلیغ کے دوران اگر کوئی دقت پیش آئے یا کسی کی ناراضگی کا اندیشہ ہو تو پامردی اور استقلال کا ثبوت دیتے ہوئے اِس بات کو بیان کرتا رہے۔ اگر مندرجہ بالا مراحل میں سے کسی ایک کو بھی اختیار نہ کیا تو ایسا انسان بزدل اور کمزور سیرت و کردار کا حامل کہلائے گا۔

سورۃالعصر پر غور و فکر بطریقِ تدبّر

آیت 1 :

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ قسم ہے تیزی سے گزرتے ہوئے زمانے کی

- اِس آیت میں حرف "و" قسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قسم کھائی جاتی ہے کسی شے کی تاکہ اُسے اپنی بات پر گواہ بنایا جائے اور اُس سے اپنی بات میں زور پیدا کیا جائے۔ اِس آیت میں اللہ نے زمانے کو گواہ بنا کر یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ انسانوں کی اکثریت گھاٹے اور خسارے میں ہے ۔ زمانہ قوموں کے عروج وزوال کا بہترین گواہ ہے ۔ زمانہ مسلسل چل رہا ہے، مستقبل کو حال اور حال کو ماضی بنا رہا ہے اور قوموں کی عبرت آموز تاریخ کا مشاہدہ کرتے ہوئے اپنے اندر سمیٹ رہا ہے۔ ہزاروں تہذیبیں اِس کے سامنے وجود میں آئیں، اپنے نقطۂ عروج کو پہنچیں، اُن کے حاملین نے "مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً" (کون ہم سے قوت میں زیادہ ہے) کا نعرہ لگایا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے زوال سے دوچار ہوئیں اور قعرِ مذلت میں جا گریں۔

- تاریخ انسانی پر اگر ہم غور کریں تو یہ حقیقت بڑی نمایاں ہے کہ اِس دنیا میں آنے والوں کی اکثریت نے بدی کا راستہ اختیار کر کے عارضی لذتوں کے عوض ہمیشہ ہمیش کے خسارے یعنی جہنم کی آگ کا سودا کر لیا۔ یہ ہی حقیقت "پہاڑی کے وعظ" (Sermon on the Mount) میں حضرت عیسیٰ نے یوں بیان فرمائی:

" تنگ دروازے سے داخل ہو کیوں کہ وہ دروازہ جو چوڑا ہے اور وہ راستہ جو کشادہ ہے، ہلاکت کو پہنچاتا ہے اور اُس سے داخل ہونے والے بہت ہیں اور وہ دروازہ جو تنگ ہے اور وہ راستہ جو سکڑا

ہے، زندگی کو پہنچاتا ہے اور اُس کے پانے والے تھوڑے ہیں"۔(۱)

- اِس آیت میں لفظ "عصر" کا استعمال ایک تنبیہ اور انذار کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ لفظ "زمانہ" بھی عربی زبان ہی کا ہے اور اِسی معنی میں لفظ "دھر" بھی استعمال ہوتا ہے لیکن لفظ "عصر" زمانے کے تیزی سے گزرنے کے پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ گویا یہ لفظ انسان کو جھنجوڑ کر غفلت سے بیدار کر رہا ہے کہ وقت بڑی تیزی کے ساتھ گزر رہا ہے۔ تمہاری اصل پونجی یہ وقت اور مہلتِ عمر ہے جو بڑی سرعت سے ختم ہو رہی ہے۔ اگر تم نے اِس کا مفید استعمال کر کے اپنی شخصیت کی تعمیر نہ کی اور آخرت کے لیے توشہ فراہم نہ کیا تو پھر تمہیں ابدی ہلاکت اور تباہی سے دوچار ہونا پڑے گا، بقول شاعر:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اِک اور گھٹادی

گھڑی کی ٹک ٹک تجھے تیری موت کے قریب سے قریب کر رہی ہے۔ ایک حدیث کے مطابق روزِ قیامت انسان کو سب سے زیادہ افسوس اپنی دنیا کی زندگی کی اُن ساعتوں پر ہوگا جو غفلت میں بیت گئیں:

لَيْسَ يَتَحَسَّرُ اَهْلُ الْجَنَّةِ اِلَّا عَلٰى سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهَا (۲)

"جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی افسوس نہیں ہوگا سوائے اُس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گزر گئی ہو"۔

عقل مند انسان وہ ہے جو فوراً ہوش میں آئے اور تیزی سے گزرنے والے اور انتظار نہ کرنے والے وقت کو مطلوبہ اعمال میں لگا کر قیمتی بنائے۔

- امام رازی نے سورۃ العصر کی تفسیر میں ایک بزرگ کا قول نقل کیا کہ:

"میں نے سورۃ العصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ رحم کرو

---

(۱) Sermon on the Mount (Matthew Ch: 7, V: 13-14)

(۲) شعب الایمان للبیهقی، فصل فی ادامة ذکر اللہ، باب لیس یتحسر اهل الجنة...، عَنْ مُعَاذِ بن جَبَلٍؓ

اُس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جارہا ہے، رحم کرو اُس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جارہا ہے۔ اُس کی یہ بات سن کر میں نے کہا یہ ہے "وَالْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢" کا مطلب۔ عمر کی جو مدت انسان کو دی گئی ہے وہ تیزی کے ساتھ برف کے گھلنے کی طرح گزر رہی ہے۔ اِس کو اگر ضائع کیا یا غلط کاموں میں صرف کیا تو یہی انسان کا خسارہ ہے"۔

وقت کی قدر نہ کرنے والے انسان کی مثال اُس طالب علم کی سی ہے جو کمرۂ امتحان میں تو بیٹھا ہو لیکن اپنا وقت پرچہ حل کرنے کے بجائے کسی اور کام میں لگا رہا ہو۔

آیت 2 :

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢ بے شک تمام انسان واقعی خسارے میں ہیں

- اِس آیت میں لفظ انسان پر داخل ہونے والا "ال" لامِ جنس ہے جس کی وجہ سے اِس لفظ کا اطلاق پوری نوعِ انسانی پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت 3 میں اُن لوگوں کا ذکر جمع کے صیغہ میں ہے جو آیت 2 میں بیان شدہ وعید سے محفوظ رہیں گے۔
- اِس آیت میں لفظ "خسر" ایک وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے۔ عام طور پر اِس لفظ کے معنی کیے جاتے ہیں گھاٹا یا نقصان اور اِس سے ذہن میں چند ہزار یا چند لاکھ کے نقصان کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن قرآنِ حکیم میں یہ لفظ ایسی کامل تباہی و بربادی کے لیے آیا ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔ خسارے سے دوچار ہونے والے لوگ وہ ہوں گے جو جہنم کا نوالہ بنیں گے اور کوئی فدیہ، لین دین، سفارش اور رحم کی اپیل اُن کے لیے فائدہ مند نہ ہوگی۔ قرآنِ حکیم اِس لفظ کو کامیابی کا مفہوم رکھنے والے متعدد الفاظ مثلاً فوز، فلاح، رشد، سعادت وغیرہ کی کامل ضد کی حیثیت سے استعمال کرتا ہے۔

لفظ "خسر" ایک ایسے امتحان میں ناکامی کا عنوان ہے جس کے متبادل کے لیے کوئی ضمنی امتحان نہیں کہ اُس کے ذریعہ سے سابقہ ناکامی کی تلافی کی جاسکے۔ قرآنِ حکیم میں یہ حقیقت بار بار بیان کی گئی کہ روزِ قیامت ناکام قرار پانے والے انسان، اللہ سے بار بار درخواست کریں گے کہ ہمیں ایک اور موقع دیا جائے اور ایک بار پھر دنیا میں بھیج دیا جائے۔ اب ہم نیک بن کر رہیں گے لیکن

اللہ کی طرف سے بڑی سختی کے ساتھ اِس درخواست کو رد کر دیا جائے گا۔سورۃ المؤمنون[23] آیات106 تا108 میں بیان ہوا:

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾

"(جہنمی) کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری نحوست غالب آگئی اور ہم رستے سے بھٹک گئے ۔ اے ہمارے رب! ہمیں اِس (جہنم) میں سے نکال دے۔ اگر ہم پھر (نافرمانی) کریں تو ظالم ہوں گے۔ اللہ فرمائے گا کہ اِسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو"۔

سورۃ فاطر[35] آیت 37 میں یہ حقیقت اِس طرح وارد ہوئی:

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِىْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٣٧﴾

"وہ (نافرمان لوگ) اُس (جہنم) میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں نکال دے تاکہ ہم نیک عمل کیا کریں بر خلاف اُس عمل کے جو ہم نے پہلے کیا۔ (اللہ فرمائے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اُس میں سبق حاصل کر لیتا سبق حاصل کرنے والا اور تمہارے پاس آیا تھا خبر دار کرنے والا۔ تو اب مزہ چکھو۔ پھر ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں ہو گا"۔

- اِس آیت میں لفظ "خسر" کے ذریعہ نوعِ انسانی کے جس المیے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اُس کا صحیح فہم ہمیں اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب ہم دنیا و آخرت کی زندگی میں اُن مشکلات و مصائب کو سامنے رکھتے ہیں جن سے دوچار ہونا تقریباً ہر انسان کا مقدر ہے۔

حیاتِ دنیا میں ہر انسان کے لیے شدید مشکلات و مصائب کا باعث دو اسباب ہیں:

i. **حیوانی یا جبلی تقاضے:** ہر انسان کو اپنی اور اپنے خاندان کی بنیادی ضروریات غذا، لباس، مکان، علاج، تعلیم وغیرہ کے بندوبست کے لیے صبح سے لے کر شام تک کمر توڑ دینے والی مشقت سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ تقاضے اِس قدر زور دار ہیں کہ ہر انسان اپنے گھر کے آرام و سکون کو چھوڑ کر باہر نکلتا ہے اور سردی و گرمی کی سختیاں، مالک یا افسرانِ بالا کی جھڑکیاں یا کاروباری متعلقین کی بحث و نزاع برداشت کرتا ہے۔ اُسے معلوم ہوتا ہے کہ

شادی کرنے سے ذمہ داریوں کا بوجھ اور بڑھ جائے گا لیکن زور آور جنسی خواہشات کی تسکین کے لیے وہ شادی کرتا ہے جس سے اُس کی مشقت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ بیوی اور بچوں کی ذمہ داریاں اُس کے دن کا چین اور رات کا آرام ختم کر دیتی ہیں۔ بعض اوقات دولت مند لوگوں کی بظاہر چمکدار زندگی کو دیکھ کر عوام کو یہ مغالطہ لاحق ہوتا ہے کہ شاید اُنہیں کوئی دکھ ہی نہیں لیکن اُن کے دکھ غرباء کے دکھوں سے زیادہ اذیت ناک اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں اور مختلف مفادات کی رسہ کشی میں جو مشقت اُنہیں اٹھانی پڑتی ہے، جن الجھنوں (Conflicts) کا اُنہیں سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جس طرح کی مایوسیوں (Frustrations) سے دوچار ہو کر وہ کئی نفسیاتی اور ذہنی امراض کا شکار ہوتے ہیں، اِس کا اندازہ ایک عام طبقہ کا فرد نہیں کر سکتا۔

ii. **احساسات و جذبات:** پہلی قسم کی مشکلات میں تو انسان باربرادری کے جانوروں سے مشابہہ ہے کہ وہ بھی دن بھر محنت کرتے ہیں، تب انہیں پیٹ بھرنے کے لیے چارہ دیا جاتا ہے۔ لیکن اِس دنیا میں انسان کی مشکلات کی وجہ وہ احساسات اور جذبات ہیں جو دیگر مخلوقات میں نہیں۔ اِن احساسات کی وجہ سے انسان کی دنیوی زندگی کی مشقت بقیہ مخلوقات کے مقابلہ میں کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اولاد کے مستقبل کی فکر، اُن کی تعلیم اور شادیوں کے بارے میں سوچ و بچار، اعزہ واقرباء کے دکھ اور درد، کسی عزیز کی بیماری، کسی کی موت کا صدمہ، بعض افسوناک حادثات یا واقعات کا اثر، ناکام آرزوئیں اور منصوبے، دوسروں کی طرف سے آنے والے طنز کے تیر، حاسدین اور دشمنوں کی طرف سے سازشیں وغیرہ نہ صرف اُس کی مشقت کو بڑھاتی ہیں بلکہ اُس کے لیے باعث اذیت ورنج بھی ہوتی ہیں۔ اِس حقیقت کو قرآنِ حکیم میں اِس طرح بیان کیا گیا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝ (البلد[90]: 4)

"ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے"۔

اگر معاملہ دنیا ہی کے رنج والم کا ہوتا تو نوعِ انسانی کا یہ المیہ اتنا شدید نہ ہوتا لیکن اِس المیہ کا سخت ترین مرحلہ تو موت کے بعد سامنے آئے گا۔ بقول شاعر:

اب تو گھبرا کہ یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

ایک حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْا فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مَوْبِقُهَا(۱)

"ہر انسان صبح کرتا ہے اور اپنی جان کو مشقت میں لگا کر بیچتا ہے پھر اُسے جہنم کی آگ سے بچالاتا ہے یا جہنم کا ایندھن بنادیتا ہے"۔

انسان نے اپنے پیٹ کی خاطر دن بھر محنت کی۔ اب اگر اِس دوران وہ حلال و حرام کی تمیز کرتا رہا اور شریعت کی تعلیمات کا پاس کیا تو جہنم سے نجات کا پروانہ لے کر آیا، دوسری صورت میں دن بھر کمر توڑ مشقت بھی کی اور سر پر جہنم کے انگاروں کا ٹوکرا بھی بھر کرلایا۔

سورۃ الانشقاق[84] کی آیت 6 میں اِس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ﴿۶﴾

"اے انسان تو یقیناً مشقت میں ہے اور مشقت جھیلتے جھیلتے تجھے اپنے رب کی طرف جانا ہے اور اُس سے ملاقات کرنی ہے"۔

انسان کی مشقتوں کا نقطۂ عروج (Climax) یہ ہے کہ یہاں ساری تکالیف جھیل کر اُسے روزِ قیامت اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور ایک حدیث مبارکہ کے مطابق پانچ باتوں کی جواب دہی کرنی ہے:

لَا تَزُوْلُ قَدَمُ ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَ اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ وَمَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَ اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ(۲)

"روزِ قیامت ابنِ آدم کے قدم ہل نہ سکیں گے اپنے ربّ کے پاس سے جب تک اُس سے پانچ باتوں کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے۔ زندگی کے بارے میں کہ کہاں لگادی، جوانی کے

(۱) صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء، عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ ؓ

(۲) سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ و الرقائق و الورع عن رسول اللہ، باب ما جاء فی شان الحساب و القصاص، عن ابن مسعودؓ

بارے میں کہ کہاں کھپادی، مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جو علم حاصل کیا اُس پر کتنا عمل کیا"۔

اگر مندرجہ بالا سوالات کے جوابات میں شرمندگی ہوئی تو پھر ہمیشہ ہمیش کے لیے اُسے دردناک اور اذیت بخش عذاب سے دوچار ہونا ہے اور سورۃ الحج[22] آیت 11 میں اِسی صورتِ حال کا بیان ہے کہ:

خَسِرَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۱﴾

"وہ گھاٹے میں رہا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور وہی ہے بالکل واضح خسارہ"۔

سورۃ الکھف[18] آیات 103 اور 104 میں یہ مضمون اِس طرح بیان کیا گیا:

قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ﴿۱۰۳﴾ؕ اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴿۱۰۴﴾

"(اے نبی) اِن سے کہہ دیجیے کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے کون ہیں؟ وہ لوگ جن کی ساری محنتیں بھٹک کر رہ جائیں دنیوی زندگی کے لیے اور اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہو گئے"۔

سورۃ الزمر[39] آیت 15 میں فرمایا گیا:

قُلۡ اِنَّ الۡخٰسِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَاَهۡلِيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۵﴾

"(اے نبیؐ) کہہ دیجیے کہ اصل نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈالا قیامت کے دن کے حوالے سے۔ جان لو! یہی ہے کھلا نقصان"۔

- جو لوگ خسارے کی اِس صورتِ حال کا شعور رکھتے ہیں، اُن کے احساسات کا نقشہ قرآنِ حکیم میں اِس طرح کھینچا گیا:

اِنَّ الَّذِيۡنَ هُمۡ مِّنۡ خَشۡيَةِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ۙ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۸﴾ۙ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِرَبِّهِمۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۵۹﴾ۙ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوۡبُهُمۡ وَجِلَةٌ اَنَّهُمۡ اِلٰى رَبِّهِمۡ رٰجِعُوۡنَ ﴿۶۰﴾ۙ

أُولَٰٓئِكَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ وَهُمْ لَهَا سَٰبِقُونَ ﴿٦١﴾ (المومنون 23: 57-61)

"جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اور جو دے سکتے ہیں وہ دیتے ہیں اور اُن کے دل اِس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی ان کے لیے آگے نکل جاتے ہیں"۔

يُسَبِّحُ لَهُۥ فِيهَا بِٱلْغُدُوِّ وَٱلْءَاصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَٰرَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَإِقَامِ ٱلصَّلَوٰةِ وَإِيتَآءِ ٱلزَّكَوٰةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ ٱلْقُلُوبُ وَٱلْأَبْصَٰرُ ﴿٣٧﴾ (النور 24: 36-37)

"اُن (مساجد) میں صبح و شام اُس کی تسبیح کرتے ہیں ایسے لوگ جنہیں ان کی تجارت اور لین دین غافل نہیں کرتے اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوۃ دینے سے۔ وہ اُس دن سے ڈرتے ہیں جب اُلٹ دیئے جائیں گے دل اور آنکھیں"۔

قَالُوٓا۟ إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِىٓ أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ ٱللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَىٰنَا عَذَابَ ٱلسَّمُومِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْبَرُّ ٱلرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾ (الطور 52: 26-28)

"اور (اہلِ جنت) ایک دوسرے کی طرف رخ کرکے آپس میں گفتگو کریں گے۔ کہیں گے کہ اِس سے پہلے ہم اپنے گھر میں (اللہ سے) ڈرتے رہتے تھے۔ تو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لُو کے عذاب سے بچالیا۔ اِس سے پہلے ہم اُس سے دعائیں کیا کرتے تھے۔ بیشک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے"۔

آیت 3 :

إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ... سوائے اُن کے جو ایمان لائے ... وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ ... اور جنہوں نے اچھے عمل کیے ... وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلْحَقِّ ... اور باہم مل کر حق کی تاکید کی ... وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلصَّبْرِ ﴿٣﴾ اور باہم مل کر صبر کی تلقین کی۔

- اِس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے خسارے سے بچنے کے لیے چار شرائط بتائی ہیں۔ یہ آیت اِس

اعتبار سے اہم ہے کہ اِس میں ہمیں اپنی نجات کے لیے امید کی کرن نظر آتی ہے ورنہ دوسری آیت میں تو بقول امام رازیؒ اللہ نے پوری نوعِ انسانی کے خسارے کا فیصلہ بیان فرماکر "شدید وعید" سنادی ہے۔ خسارے سے بچنے کے لیے شرائط حسب ذیل ہیں:

(1) ایمان (2) عمل صالح (3) تواصی بالحق (4) تواصی بالصبر

آیئے اب ہم ان میں سے ہر ایک شرط کو اور اُن کے مابین ربط کو سمجھتے ہیں۔

1. ایمان

- ایمان کا لفظ ء م ن سے بنا ہے۔ اَمِنَ۔ یَاْمَنُ کے معنی ہیں امن میں ہونا۔ بابِ افعال میں اٰمَنَ۔ یُؤْمِنُ کے معنی ہیں امن دینا۔ اِسی باب سے لفظ ایمان مصدر ہے۔ لفظ ایمان کے بعد جب "ب" کا صلہ لگے تو معنی ہوں گے تصدیق کرنا یا اعتماد کرنا۔ اِسی طرح اگر اِس لفظ کے بعد "ل" کا صلہ آجائے تو معنی ہوں گے کسی کی بات مان لینا۔ ایمان کا لفظ جب ہم دینی اصطلاح کے طور پر استعمال کرتے ہیں تو اِس کے معنی ہیں تَصۡدِیۡقٌ بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ اِجۡمَالًا وَّ تَفۡصِیۡلاً (ہر اُس بات کی تصدیق کرنا جو نبی نے پیش کی خواہ وہ مختصر ہو یا مفصل)۔ گویا اصطلاحی طور پر کائنات کے اصل اور اساسی حقائق کے بارے میں انبیاء کرام کی دی ہوئی خبروں کو تسلیم کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔
- ایمان کے دو درجے ہیں۔ ایک قانونی ایمان یعنی اِقۡرَارٌ بِاللِّسَانِ (زبان سے اقرار) اور دوسرا حقیقی ایمان یعنی تَصۡدِیۡقٌ بِالۡقَلۡبِ (دل سے تصدیق)۔
- قانونی ایمان کے حوالے سے مندرجہ ذیل نکات قابلِ ذکر ہیں:
  - دنیا میں کسی شخص کے صاحبِ ایمان ہونے کا فیصلہ قانونی ایمان کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ حقیقی ایمان کا تعلق دل سے ہے اور ہم کسی کے دل کا حال نہیں جان سکتے۔

وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤى اِلَيۡكُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا (النساء4: 94)

"اور نہ کہو اُس کو جو تمہیں سلام پیش کرے کہ تم مؤمن نہیں ہو"۔

بخاری اور معجم الکبیر للطبرانی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دستہ مجاہدین کا بھیجا، جن میں حضرت مقداد بن اسود بھی تھے۔ جب وہ موقع پر پہنچے تو سب

لوگ بھاگ گئے اور صرف ایک شخص رہ گیا، جس کے پاس بہت مال تھا۔ اُس نے صحابہ کرام کے سامنے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، مگر حضرت مقداد نے یہ سمجھ کر کہ یہ شخص دل سے نہیں بلکہ محض جان و مال بچانے کے لیے زبان سے کلمہ پڑھ رہا ہے، اُس کو قتل کر دیا۔ حاضرین میں سے ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے برا کیا۔ ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کی شہادت دی تھی۔ جب یہ لوگ مدینہ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ ﷺ نے حضرت مقداد کو بلا کر سخت تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ روزِ قیامت تمہارا کیا جواب ہو گا جب یہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ تمہارے مقابلہ میں دعویدار ہو گا۔ (۱)

- قانونی ایمان کا عمل سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا یہ نہ گھٹتا ہے اور نہ بڑھتا ہے۔ اِسی کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ:

اَلْاِیْمَانُ قَوْلٌ وَّلَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ (۲)

"ایمان قول ہے نہ بڑھتا ہے اور نہ ہی گھٹتا ہے"۔

- کوئی شخص خواہ کتنا ہی گناہ گار ہو لیکن جب تک وہ دین کی بنیادی باتوں کی زبان سے تصدیق کرتا ہے اُسے مسلمان سمجھا جائے گا، اُسے اسلامی ریاست کی شہریت حاصل ہو گی اور وہ مسلم معاشرے کی تمام سہولتوں کا حق دار ہو گا۔
- اگر کسی شخص کے دل میں نبی کی لائی ہوئی تعلیمات پر یقین ہو لیکن وہ کسی مصلحت کی بنا پر زبان سے اقرار نہیں کر رہا تو وہ قانونی اعتبار سے کافر ہے۔ فرعون اور اُس کے سرداروں کے بارے میں قرآنِ حکیم نے فرمایا:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ (النمل 27 :14)

"انہوں نے انکار کیا (معجزات کا) جبکہ اُن کے جی یقین کر چکے تھے"۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ و من یقتل مؤمنا متعمدًا ... و المعجم الکبیر للطبرانی، باب3، رقم12210

(۲) شرح العقیدۃ الطحاویۃ

- حقیقی ایمان کے حوالے سے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

- قانونی ایمان دنیا میں تو مفید ہے لیکن آخرت میں کسی کے صاحبِ ایمان ہونے کا فیصلہ حقیقی یعنی قلبی ایمان کی بنیاد پر کیا جائے گا کیوں کہ اللہ عَلِیۡمٌ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ہے اور وہ جانتا ہے کہ کس کے دل میں ایمان ہے۔
- آخرت میں حقیقی مومن قرار پانے کے لیے زبانی اقرار کے ساتھ دل میں یقین ہونا بھی لازم ہے۔ اگر کوئی شخص صرف زبان سے نبی اکرم ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کا اقرار کرتا ہے لیکن اُسے ان تعلیمات پر دل سے یقین حاصل نہیں تو وہ منافقت کے مرض میں مبتلا ہے۔ منافقین کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَلَمۡ تُؤۡمِنۡ قُلُوۡبُهُمۡ (المائدۃ5 :41)

"وہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لیکن اُن کے دل ایمان نہیں لائے"۔

- حقیقی ایمان گھٹتا بھی اور بڑھتا بھی ہے جس کا اظہار انسان کے عمل میں ترقی یا کمی سے محسوس ہوتا ہے۔ اِس حوالے سے امام بخاری کا قول ہے:

اَلۡاِیۡمَانُ قَوۡلٌ وَّ عَمَلٌ وَ یَزِیۡدُ وَ یَنۡقُصُ (۱)

"ایمان قول و عمل کا مجموعہ ہے اور بڑھتا ہے اور گھٹتا ہے"۔

- امت کی موجودہ زبوں حالی اِس بات پر گواہ ہے کہ ہماری اکثریت ایمانِ حقیقی سے محروم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ○ (آلِ عمران3 :139)

"تم ہی غالب ہوگئے بشرطیکہ مومن ہو"۔

ایمانِ حقیقی سے ہماری محرومی پر ایک اور دلیل ہماری اکثریت کی بے عملی بھی ہے کیونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی یَکُوۡنَ هَوَاهُ تَبۡعًا لِّمَا جِئۡتُ بِهٖ(۱)

---

(۱) فتح الباری، کتاب الایمان، باب بنی الاسلام علی خمس

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کی خواہشِ نفس اُس شریعت کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں"۔

- ایمانِ حقیقی کے حصول کے لیے ہم حسبِ ذیل ذرائع اختیار کر سکتے ہیں:

i. صحبتِ صادقین یعنی سچے اور راست باز لوگوں کی رفاقت اختیار کرنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾ (التوبة[9]: 119)

"اے اہلِ ایمان اللہ کی نافرمانی سے بچو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ"۔

صادقین سے مراد کون لوگ ہیں اِس کی وضاحت سورۃ الحجرات[49] آیت 15 میں اِس طرح بیان ہوئی:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿١٥﴾

"مومن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے اور اُنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہی لوگ سچے ہیں"۔

نیوٹن کا قانونِ تجاذب (law of gravitation) ہے کہ ہر جسم دوسرے جسم کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ بالکل اِسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان پر اپنی سوچ اور اپنے عمل کے ذریعہ اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک صاحبِ یقین شخص اپنی گفتگو، طرزِ عمل اور سیرت و کردار کے ذریعہ دوسرے انسان کو بھی یقین کی دولت عطا کرتا ہے۔ لہٰذا ایسے حضرات کے ساتھ تعلقات رکھنا اور اُن کی صحبت اختیار کرنا جن کے خلوص و اخلاص پر اعتماد ہو اور جن کے طالبِ آخرت ہونے پر کوئی شبہ نہ ہو، انسان کو ایمانِ حقیقی کی دولت سے سرفراز کرتا ہے۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں صحبتِ صالح و غیر صالح کو مثالوں سے واضح فرمایا گیا:

---

(۱) شرح السنة، كتاب الإيمان، باب رد البدع و الأهواء عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ

اِنّمَا مَثَلُ الْجَلِيسِ الصّالِحِ وَالْجَلِيسِ السّوْءِ، كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَ نَافِخِ الْكِيرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ، اِمّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَاِمّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَاِمّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحاً طَيِّبَةً وَ نَافِخُ الْكِيرِ، اِمّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَاِمّا أَنْ تَجِدَ رِيحاً خَبِيثَةً (۱)

"بے شک نیک ساتھی کی اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے کستوری اٹھانے والا اور آگ کی بھٹی دھونکنے والا۔ پس کستوری اٹھانے والا یا تو تجھے (کستوری) عطیہ دے دے گا یا تو خود اُس سے خرید لے گا (یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تب بھی) یا یہ کہ تو اُس سے پاکیزہ خوشبو پالے گا اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا، یا پھر تو اُس سے بدبودار بو پائے گا"۔

صحبتِ صالح تُرا صالح کند　　　　صحبتِ طالح تُرا طالح کند

ii. سلفِ صالحین کی سیرت کا مطالعہ بھی انسان کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے۔ صالحین میں سے جو لوگ ابھی بقیدِ حیات ہیں، اُن کی صحبت تو اُن کی محافل میں اخلاص نیت اور عمل کے ارادے کے ساتھ شرکت سے حاصل ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر ہم اُن پاکباز ہستیوں کی صحبت حاصل کرنا چاہیں جو اب اِس دنیا میں نہیں ہیں تو اُن کی سیرت اور اُن کے ایثار و قربانی کے واقعات کے مطالعہ سے یہ نعمت بھی مل سکتی ہے۔ جب ہم انبیاء کرام اور بالخصوص نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے حالات و واقعات پڑھتے ہیں، صحابہ کرام کی قربانیوں کے تذکرے ہمارے مطالعہ میں آتے ہیں، بعد کے سلف صالحین کے پاکیزہ سیرت و کردار کا بیان ہمارے علم میں آتا ہے تو ہم خود کو اُسی ماحول میں موجود پاتے ہیں اور گویا اُن کی صحبت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اُن کا زندگی گزارنے کا انداز ہمارے دلوں میں یہ حقیقت جاگزیں کرتا ہے کہ اصل زندگی آخرت کی ہے اور عقل مند وہ ہے جو اِس دنیا میں مسافروں کی طرح رہ کر اصل محنت آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لیے کرے۔

(۱) صحیح المسلم، کتاب البر و الصلة، باب استحباب مجالسة الصالحین ... عن ابی موسیٰؓ

iii. ایمانِ حقیقی کے حصول کا آسان ذریعہ تو صالحین کی صحبت ہے لیکن اِس کا اصل اور مؤثر ترین ذریعہ قرآنِ حکیم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝۹ (الحدید[57]:9)

"وہی ہے اللہ جو نازل کرتا ہے اپنے بندے (یعنی نبی اکرم ﷺ پر) پر واضح آیات تاکہ وہ نکال لائیں تمہیں اندھیروں سے روشنی میں اور بے شک اللہ تم پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے"۔

اِس آیت میں اندھیروں سے مراد بے یقینی، شرک، کفر و الحاد، مادیت، حرص و ہوس کی غلامی کے اندھیرے ہیں۔ نور سے مراد ہے ایمانِ حقیقی۔ سورۃ التغابن[64] کی آیت 8 میں قرآنِ حکیم کے لیے بھی لفظ "نور" آیا ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا

"پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس نور پر جو ہم نے نازل فرمایا"۔

قرآن ازخود نور ہے اور در حقیقت اِسی سے نورِ ایمان حاصل ہوتا ہے۔ گویا ایمانِ حقیقی کے حصول کا ذریعہ ہے قرآنِ حکیم کی واضح آیات پر غور و فکر۔ آیت کے معنی ہوتے ہیں نشانی۔ جس طرح کسی دوست کی دی ہوئی نشانی دیکھ کر وہ دوست یاد آجاتا ہے، اِسی طرح آیت کے ذریعہ انسان کے قلب میں موجود ایمان تازہ اور شعور کی سطح پر اجاگر ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے قرآن کی اِن واضح آیات کی تلاوت کے ذریعہ ہی صحابہ کرام کے دلوں کو نورِ ایمان سے اِس طرح منور کیا کہ وہ شرک، الحاد اور مادہ پرستی سے تائب ہو گئے۔ توحید اُن میں سرایت کر گئی، اُن کی نگاہ میں دنیا کی حقیقت مچھر کے پر سے بھی کم ہو گئی، فکر آخرت اُن پر طاری ہو گئی اور رسالت کو وہ نوعِ انسانی کے لیے ایک عظیم رحمت سمجھنے لگے۔ بقول مولانا ظفر علی خان:

ایمان نہیں وہ جنس جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈھے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

سورۂ انفال[8] آیت 2 میں قرآن کی تاثیر بیان کی گئی:

وَاِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا

"اور جب اُن پر اُس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ اُن کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں"۔

ایک حدیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَءُ كَمَا يَصْدَءُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جِلَاءُهَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ (١)

"دلوں پر بھی زنگ آجاتا ہے جیسے لوہے پر زنگ آتا ہے جب کہ اُس پر پانی پڑتا ہے۔ دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ دلوں پر سے زنگ اتارنے کا ذریعہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کثرت سے موت کی یاد اور قرآن حکیم کی تلاوت"۔

2. عملِ صالح

- ہر ایسا فعل جو کسی ارادے سے، خاص مقصد کے تحت اور محنت و مشقت کے ساتھ کیا جائے عمل کہلاتا ہے۔ عمل اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی۔ اچھے عمل کو "عملِ صالح" کہتے ہیں۔
- کسی عمل کے صالح ہونے کے لیے تین شرائط ہیں:

i. حسنِ نیت یعنی عمل کے پیچھے جذبۂ محرکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کی طلب اور آخرت کے اجر کا حصول ہو۔

ii. عمل معروف کے دائرے میں آتا ہو۔ اگر کوئی فرد نیک نیتی کے ساتھ منکر کا ارتکاب کرے تو یہ عمل صالح نہیں ہو گا۔ مثلاً کوئی شخص مالدار لوگوں سے اِس لیے مال چھینے تاکہ غرباء کی مدد کر سکے تو یہ جائز نہیں ہے۔

iii. وہی عمل درحقیقت صالح ہے جو سنتِ نبوی ﷺ کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز کی ہر رکعت میں نیک نیتی کے ساتھ دو کے بجائے تین سجدے کرے تو اُس کا یہ عمل، صالح نہیں بلکہ بدعت کہلائے گا۔

---

(۱) شعب الایمان للبیهقی، فصل فی إدمان تلاوة القرآن، 1958، عن ابن عمرؓ

3. تواصی بالحق

- لفظ تواصی کا مادہ ہے و ص ی۔ اِسی مادہ سے وصیت بنتا ہے جس کے معنی ہیں ایسی بات جو تاکید سے کہی جائے۔ تواصی کے معنی ہوتے ہیں ایسی بات جو پورے زور و شور سے بیان کی جائے اور اِس کے لیے باہمی اشتراک یعنی اجتماعیت کا اہتمام کیا جائے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ (آلِ عمران[3]:104)

"چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہ ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں"۔

- حق وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے جس کے بنیادی طور پر چار مفاہیم ہیں:

i. وہ شے جو حقیقتاً موجود ہو۔ ii. وہ شے جو عقلاً مسلّم ہو۔

iii. وہ بات جو اخلاقاً واجب ہو۔ iv. وہ بات جو بامقصد ہو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ (الحج[22]: 6) "اِس لیے کہ اللہ ہی اصل حق ہے" کی روشنی میں نظری اعتبار سے سب سے بڑا حق اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ اور عملی اعتبار سے سب سے بڑا حق یہ ہے کہ زمین اللہ کی ہے لہٰذا اِس پر اللہ کی حاکمیت نافذ ہونی چاہیئے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (یوسف[12]: 40)

"حکومت تو بس ایک اللہ ہی کی ہے۔ اُس کا حکم ہے کہ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو"۔

تواصی بالحق کے ذیل میں چھوٹی چھوٹی اخلاقی نصیحتیں بھی آتی ہیں لیکن اِس کی چوٹی یہ ہے کہ پورے کے پورے نظام پر اللہ کے دین کے غلبہ کیے لیے آواز بلند کی جائے اور اللہ کے اِس حق کو حاصل کرنے کے لیے مال و جان سے بھرپور جدوجہد کی جائے:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ (الحج[22]: 78)

"اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا کہ اُس کے لیے جہاد کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں چُن لیا ہے"۔

4. تواصی بالصبر

- لفظ صبر کا مادہ ہے ص ب ر۔ اِس کے لغوی معنی ہیں جھیلنا، برداشت کرنا یا خود کو روکنا۔ اصطلاحی طور پر صبر کے معنی ہیں ناخوشگوار حالات میں استقامت کے ساتھ ڈٹے رہنا، مخالف قوتوں سے الجھنا اور اپنے موقف و مشن سے پیچھے نہ ہٹنا۔
- صبر کی دو اقسام ہیں یعنی حادثات پر صبر کرنا اور کسی مقصد کی خاطر صبر کرنا۔

i. **حادثات پر صبر کرنا:** حادثات اللہ کی طرف سے ذریعۂ آزمائش ہوتے ہیں۔ اِن پر اللہ سے اجر کی امید کے ساتھ فوری صبر کرنا صبر جمیل کہا جاتا ہے۔ ویسے صبر تو ہر انسان کو کرنا پڑتا ہے کیوں کہ مرثیوں، ماتم، نالہ و فریاد، بال نوچنے، گریبان پھاڑنے اور سر پر خاک ڈالنے سے حادثات کی تلافی نہیں ہو جاتی لیکن یہ سب کرنے کے بعد کا صبر، انسان کو اجر سے محروم کر دیتا ہے۔ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ صبر جمیل کیا جائے۔

ii. **کسی مقصد کی خاطر صبر کرنا:** مقصد مثبت بھی ہو سکتا ہے اور منفی بھی، البتہ ہر مقصد کے حصول کے لیے صبر و استقامت ناگزیر ہے۔ مثبت مقصد کے لیے بھی صبر کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اعمالِ صالحہ کے لیے صبر کرنا یعنی نیکی پر کاربند رہنے کے لیے یا گناہ سے بچنے کے لیے صبر کرنا۔ مثلاً فجر کی نماز کی ادائیگی کے لیے روزانہ اپنی نیند کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ اِسی طرح اگر انسان ضرورت مند ہو اور اُس کے لیے حرام کمائی کا حصول ممکن ہو تو خود کو اِس سے روکنا بغیر صبر کے ممکن نہیں۔ دوسرا ہے تواصی بالحق کے لیے صبر کرنا۔ کسی بھی انسان کو حق کی تبلیغ کے مشن سے ہٹانے کے لیے طنز و تشدد بھی کیا جاتا ہے، لالچ بھی دی جاتی ہے اور سودے بازی کی پیشکش بھی کی جاتی ہے۔ صبر یہ ہے کہ اپنی منزل اور اپنے ہدف کے تعین کے بعد انسان پوری ثابت قدمی سے اِس کی طرف پیش قدمی جاری رکھے۔ کوئی مخالفت، کوئی رکاوٹ، کوئی تشدد، اُسے اپنے مقصد اور اپنی منزلِ مقصود کی جانب پیش قدمی سے روک نہ

سکے، کوئی طمع، کوئی لالچ یا کسی اعتبار سے مرغوباتِ نفس کی کوئی کشش اُس کی راہ میں حائل نہ ہوسکے اور نہ ہی سودے بازی کی کوئی پیشکش اُسے باطل کے ساتھ سمجھوتے پر آمادہ کر سکے۔

- تواصی بالصبر کا مفہوم ہے کہ حق کی راہ میں جدوجہد کرنے والوں کو مختلف امتحانات اور آزمائشوں پر ڈٹے رہنے اور ثابت قدمی کے ساتھ جدوجہد جاری رکھنے کی تلقین کی جائے۔

ایمان اور عمل صالح کا باہمی تعلق :

قانون کی سطح پر ایمان اور عمل جدا ہوسکتے ہیں لیکن حقیقت کی سطح پر یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ کسی انسان کا عمل اُس کے قلبی یقین کا اظہار ہوتا ہے۔ شدید پیاس لگی ہو لیکن کوئی بھی انسان ایسا پانی نہیں پی سکتا جس کے بارے میں اُسے علم ہو جائے کہ اِس میں زہر ہے۔ اُسے یقین ہے کہ زہر اُس کی زندگی کے لیے خطرناک ہے۔ تمام سانپ زہریلے نہیں ہوتے لیکن انسان ہر سانپ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ بجلی کا تار اگر کہیں سے کھلا ہو اور علم ہو کہ اِس میں کرنٹ ہے تو آدمی اِس سے بچتا ہے۔ یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ جس چیز پر یقینِ قلبی ہو اُس کا اظہار لازماً عمل سے ہوتا ہے۔ اِس حقیقت کو نبی اکرم ﷺ نے مندرجہ ذیل ارشادات کے ذریعہ واضح فرمایا:

وَاللهِ لَا يُؤمِنُ وَاللهِ لَا يُؤمِنُ وَاللهِ لَا يُؤمِنُ قِيلَ وَمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ(۱)

"اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے۔ پوچھا گیا کون اے اللہ کے رسول ﷺ ؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص جس کی ایذا رسانیوں سے اُس کا ہمسایہ چین میں نہ ہو"۔

لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَ لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ (۲)

"جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا اُس کا ایمان ہی نہیں، جو وعدہ پورا نہیں کرتا اُس کا کوئی دین نہیں"۔

لاَ يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤمِنٌ وَلاَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤمِنٌ وَلاَ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الْأَدَبِ، باب إِثْمِ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ عَنْ اَبِيْ شَرَيْحٍؓ

(۲) مسند احمد، کتاب بَاقِی مُسْنَدِ الْمُكْثِرِينَ، باب مُسْنَدُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ، 11935

يَسۡرِقُ السَّارِقُ حِيۡنَ يَسۡرِقُ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ (۱)

"زانی، زنا نہیں کرتا جبکہ وہ حالتِ ایمان میں ہو اور شرابی، شراب نہیں پیتا جبکہ وہ حالتِ ایمان میں ہو اور چور، چوری نہیں کرتا جبکہ وہ حالتِ ایمان میں ہو"۔

عمل صالح اور تواصی بالحق کا باہمی تعلق:

- فطرت کا عام اصول "کوئی شے نہ ماحول سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکتی ہے نہ اِسے متاثر کئے بغیر" اخلاقیات میں زیادہ شدت سے کارفرما ہے۔ جس طرح برف اپنے ماحول کو سرد اور آگ اپنے گردو پیش کو گرم کرتی ہے، اِسی طرح ایک باعمل انسان اپنے پاکیزہ سیرت و کردار سے لازماً معاشرے میں نیکی اور بھلائی کو فروغ دے گا۔ گویا عملِ صالح کا فطری نتیجہ ہے تواصی بالحق۔ البتہ اگر کوئی معاشرہ بالکل ہی مردہ ہو چکا ہو اور پاکیزہ کردار کے اثرات محسوس نہ ہوں تو پھر بھی تواصی بالحق کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیئے تاکہ:

i. (Best defence is offence) اقدام بہترین دفاع ہے کے اصول کی روشنی میں خود کو معاشرے کے برے اثرات سے محفوظ رکھا جاسکے۔

ii. آخرت میں جواب دہی کے وقت شرمندگی سے بچا جاسکے، جیسا کہ سبت کے قانون میں زیادتی کرنے والوں کو باز رکھنے والوں نے کہا تھا مَعۡذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمۡ (الاعراف[7]: 164) ہم تمہیں برائی سے روک رہے ہیں تاکہ روزِ قیامت تمہارے رب کے سامنے عذر پیش کر سکیں کہ اے اللہ! ہم تیری نافرمانیوں کو روکنے کی اپنی سی کوشش کر رہے تھے۔

iii. اِس امید پر کہ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ (الاعراف[7]: 164) یعنی شاید نافرمانی کرنے والے باز آجائیں اور کسی بات کا اُن پر اثر ہو ہی جائے۔

- باعمل انسان کے لیے تواصی بالحق اِس لیے بھی ضروری ہے کہ انسان کی شرافت و مروت کا لازمی تقاضا ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کرے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب لا یشرب الخمر عن ابی ھریرۃؓ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بَيَانِ نُقۡصَانِ الۡإِيمَانِ بِالۡمَعَاصِي ... عن ابی ھریرۃؓ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ(۱)

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔

- تواصی بالحق ایک انسان کی اللہ کے حوالے سے غیرت و حمیت کا تقاضا ہے۔ جس طرح فرمانبردار بیٹا اپنے والد کی توہین برداشت نہیں کر سکتا اِسی طرح تابعدار بندے کا اپنے رب کی نافرمانی کو دیکھ کر خون کھولنے لگتا ہے۔
- ختمِ نبوت کی وجہ سے اب تواصی بالحق، امتِ مسلمہ کا مقصدِ تاسیس طے کر دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ

(آلِ عمران3: 110)

"(مسلمانو) تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

تواصی بالحق اور تواصی بالصّبر کا باہمی تعلق :

- تواصی بالصبر کے مرحلے کا پیش آنا نہ صرف تواصی بالحق کا لازمی نتیجہ بلکہ قطعی ثبوت ہے دعوت کے مبنی بر حق ہونے کا۔ عربی زبان کا مقولہ ہے کہ اَلْحَقُّ مُرٌّ "سچ کڑوا ہوتا ہے"۔ اگر معاشرہ میں ظلم و ستم اور جبر و استحصال ہے تو ایسا کرنے والے عناصر محسوس کریں گے کہ دعوتِ حق اُن کے مفادات پر تیشہ بن کر گر رہی ہے۔ اب وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ضرور دعوتِ حق کی مخالفت کریں گے۔ گویا تواصی بالحق کے نتیجہ میں صبر کے مرحلہ کا آنا، ناگزیر ہے۔
- جتنا بڑا حق ہو گا اتنا ہی اِس کا اعلان اور تسلیم کرانا صبر آزما ہو گا۔ تواصی بالحق کا مقصد محض وعظ و نصیحت نہیں بلکہ برائی اور ظلم کا بالفعل مٹا دینا ہوتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے:

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب مِنَ الْاِیمَانِ اَنْ یُحِبَّ لِاَخِیہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہِ، عن انسؓ

وَ ذٰلِكَ اَضۡعَفُ الۡاِ یۡمَانِ (۱)

"تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے پس اُسے چاہیئے کہ اِسے اپنے ہاتھ سے روک دے، پھر اگر وہ اِس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے روک دے، پھر اگر وہ اِس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل میں اِسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے"۔

اگر تبلیغ کا مقصد صرف زبانی کلامی سمجھانا ہو تو مخالفت کم ہو گی لیکن اگر اِس کا ہدف منکرات کا خاتمہ ہو تو لوٹ مار اور عیاشیاں کرنے والے مخالفت کی آخری حد تک جا کر، ظلم و ستم کی انتہا کرتے ہوئے رکاوٹ بنیں گے اور گویا صبر کا مرحلہ شدید ترین صورت اختیار کر جائے گا۔

ایک اہم نتیجہ :

ایمانِ حقیقی کا لازمی مظہر ہے عملِ صالح، عملِ صالح کا لازمی تقاضا ہے تواصی بالحق اور تواصی بالحق کا لازمی نتیجہ ہے تواصی بالصبر۔ اِسی طرح اِس کی عکسی صورت بھی بالکل درست ہے یعنی تواصی بالصبر کا مرحلہ پیش نہیں آیا تو یہ علامت ہے تواصی بالحق سے گریز کی، تواصی بالحق سے گریز حتمی ثبوت ہے عمل میں کمی کا اور عمل میں کمی یقینی ثبوت ہے ایمانِ حقیقی سے محرومی کا۔ گویا سورۃ العصر کی روشنی میں صراط مستقیم کے چار سنگ ہائے میل (Mile Stones) ہیں یعنی ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔

مریضانہ عدم توازن کی دو صورتیں:

i. اپنے ہی نفس کے تزکیہ میں لگے رہنا اور دوسروں کی اصلاح کی کوشش سے خود غرضانہ اور مجرمانہ غفلت برتنا یعنی راہبانہ تصورِ نیکی۔ ایک حدیث میں ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کے لیے شدید وعید بیان ہوئی ہے:

اَوۡحَی اللّٰہُ اِلٰی جِبۡرِیۡلَ اَنِ اقۡلِبۡ مَدِیۡنَۃَ کَذَا وَ کَذَا بِاَھۡلِھَا قَالَ فَقَالَ یَا رَبِّ اِنَّ فِیۡھِمۡ عَبۡدَكَ فُلَانًا لَمۡ یَعۡصِكَ طَرۡفَةَ عَیۡنٍ قَالَ فَقَالَ اقۡلِبۡهَا عَلَیۡهِمۡ فَاِنَّ وَجۡهَهٗ لَمۡ یَتَمَعَّرۡ فِیَّ سَاعَةً قَطُّ (۱)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بَیَانِ کَوۡنِ النَّھۡیِ عَنِ الۡمُنۡکَرِ مِنَ الۡإِیمَانِ ...عن ابی سعیدؓ

"اللہ تعالیٰ نے حکم دیا جبرائیل علیہ السلام کو کہ فلاں شہر کو مع اُس کے باشندوں کے اُلٹ دو۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! اُن لوگوں میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کے دوران (یعنی ایک لمحہ) بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُس شہر کو دیگر باشندوں کے ساتھ اُس پر بھی الٹ دو، کیوں کہ (شہر والوں کے کرتوتوں پر) میری خاطر اُس کا چہرہ ایک گھڑی بھی متغیر نہیں ہوا"۔

غور کیجئے ایک شخص تقویٰ کی اِس انتہا پر ہے کہ پلک جھپکنے میں بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کر رہا، لیکن دوسروں کو نافرمانیوں سے نہ روکنے کی وجہ سے اللہ کے غضب کا شکار ہو گیا۔

ii. عدم توازن کی دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی ذات کو فراموش کر کے دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنا اور تحریکی کاموں میں سرگرم ہونا۔ ایسے لوگوں کو اللہ نے یوں تنبیہ فرمائی:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (البقرۃ 2: 44)

"کیا تم لوگوں کو نیکی کرنے کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کئے دیتے ہو حالانکہ تم (اللہ تعالیٰ کی) کتاب بھی پڑھتے ہو۔ تو کیا تم سوچتے نہیں ہو؟"

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے عدم توازن سے بچائے اور اُن لوگوں میں شامل فرمائے جو ایمان لائے، اچھے عمل کرتے رہے، مل جل کر حق کی تاکید کی اور باہم صبر و استقامت کی تلقین کرتے رہے۔ آمین!

ارشادِ نبوی ﷺ

"پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، دولت مندی کو تنگ دستی سے پہلے، فرصت کو مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے"۔

(المستدرك الحاكم، كتاب الرقاق، باب اغتنم خمسا قبل خمس)

(۱) شعب الایمان للبیهقی، کتاب التاسع و الثلاثون من شعب الإیمان، باب أحادیث فی وجوب الأمر بالمعروف و النهی عن المنکر، 7333، عن جابرؓ

منتخب نصاب حصّہ اوّل

درسِ دوم: آیۂ برّ (سورۃ البقرۃ 2: 177)

"حقیقتِ برّ و تقویٰ"

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَ لٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَ الۡکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ۚ وَ اٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ ۙ وَ السَّآئِلِیۡنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَ الۡمُوۡفُوۡنَ بِعَہۡدِہِمۡ اِذَا عٰہَدُوۡا ۚ وَ الصّٰبِرِیۡنَ فِی الۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ:

لَیۡسَ الۡبِرَّ... نیکی یہی نہیں ہے ...اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ ... کہ تم پھیر لو اپنے چہرے ... قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ ... مشرق اور مغرب کی طرف ... وَ لٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ ... بلکہ نیکی تو اُس کی ہے ... اٰمَنَ بِاللّٰہِ ... جو ایمان لایا اللہ پر ... وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ... اور آخرت کے دن پر ... وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ ... اور فرشتوں پر ... وَ الۡکِتٰبِ ... اور کتابوں پر ... وَ النَّبِیّٖنَ ... اور نبیوں پر ... وَ اٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ... اور اُس نے دیا مال باوجود اِس کی محبت کے ... ذَوِی الۡقُرۡبٰی ... قرابت داروں کو ... وَ الۡیَتٰمٰی ... اور یتیموں کو ... وَ الۡمَسٰکِیۡنَ ... اور محتاجوں کو ... وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ ... اور مسافروں کو ... وَ السَّآئِلِیۡنَ ... اور مانگنے والوں کو ... وَ فِی الرِّقَابِ ... اور گردنوں کے چھڑانے میں ... وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ ... اور اُس نے نماز قائم کی ... وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ ... اور اُس نے زکوٰۃ دی ... وَ الۡمُوۡفُوۡنَ بِعَہۡدِہِمۡ ... اور وہ پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو ... اِذَا عٰہَدُوۡا ... جب بھی عہد کریں ... وَ الصّٰبِرِیۡنَ فِی الۡبَاۡسَآءِ ... اور بالخصوص صبر

کرنے والے سختیوں میں... وَالضَّرَّآءِ ... اور تکالیف میں ... وَحِيْنَ الْبَاْسِ... اور لڑائی کے وقت...
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا...یہی لوگ سچے ہوئے... وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ...اور یہی لوگ متقی ہیں۔

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ اوّل کا درسِ دوم سورہ بقرۃ آیت 177 کے بیان پر مشتمل ہے۔
2. یہ ایک طویل آیت ہے جو سورۃ العصر میں بیان شدہ نجات کی چار شرائط کو نہایت عمدگی سے اِس طرح واضح کر رہی ہے کہ:

i. ایمان کی وضاحت میں پانچ ایمانیات کا ذکر ہے یعنی اللہ، آخرت، فرشتوں، کتابوں اور انبیاء پر ایمان۔ گویا سورۃ العصر میں ایمان ایک بند کلی کی طرح تھا اور اِس آیت میں اِس کلی سے ایک ایسا پھول بر آمد ہوا ہے جس کی پانچ پتیاں ہیں۔

ii. عملِ صالح کے ضمن میں تین اعمال کا بیان آیا ہے یعنی انسانی ہمدردی کے تحت ناداروں کی مالی امداد، عبادات کا اہتمام اور جملہ معاملات میں عہد کی پاسداری۔

iii. اِس آیت میں تواصی بالحق کا ذکر بین السطور موجود ہے۔ یہ آیت جنگ کے موقع پر صبر کا ذکر کر رہی ہے اور جنگ ہوتی ہی اُس وقت ہے جب تواصی بالحق کے ذریعہ باطل کو چھیڑا جائے۔

iv. تواصی بالصبر کے ذیل میں صبر کے تین مواقع بیان کیے جا رہے ہیں یعنی سختیوں، تکالیف اور جنگ کے دوران صبر۔

3. اِس آیت کا موضوع ہے "نیکی کا جامع تصور"۔ اِس موضوع کی اہمیت یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والا ہر انسان اپنے ضمیر کے اطمینان اور معنوی و روحانی زندگی کی بقاء و تسلسل کے لیے نیکی کا کوئی نہ کوئی تصور اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ ایک طرف انسان بعض غلط کام کر رہا ہوتا ہے جن کی وجہ سے ضمیر ملامت کرتا ہے لیکن دوسری طرف نیکی کی کوئی خاص صورت اختیار کر کے ضمیر کی خلش کو کم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بقولِ شاعر:

بقدرِ پیمانۂ تخیل، سرور ہر شے میں ہے خودی کا
اگر نہ ہو یہ فریبِ پیہم، دم نکل جائے آدمی کا

معاشرے میں نیکی کے مختلف تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایسے طبقات جو معاشرے میں برے سمجھے جاتے ہیں اُن کا اپنا تصورِ نیکی ہوتا ہے اور جو طبقات اچھی شہرت کے حامل ہوتے ہیں، وہ اپنا تصورِ نیکی رکھتے ہیں۔

برے طبقات کے حوالے سے نوٹ کیجیے کہ ڈاکے ڈالنے والے لوٹے ہوئے مال سے یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرتے ہیں، جیب کترے اپنی حدود سے باہر واردات کو ناجائز تصور کرتے ہیں اور دن بھر کی کمائی استاد کے سامنے پیش نہ کرنے کو خیانت سمجھتے ہیں، غنڈہ عناصر کسی مظلوم کی حمایت میں جان پر کھیل جاتے ہیں، عصمت فروش، گلوکاراور ڈراموں و فلموں میں فحاشی کاارتکاب کرنے والے اداکار مزارات پر حاضر ہو کر نذرانے پیش کرتے ہیں، ربیع الاوّل میں نعتیں پڑھتے ہیں، محرم میں مرثیہ خوانی کرتے ہیں اور آفات کے موقع پر کثیر رقم کے ذریعہ مالی امداد کرتے ہیں۔

اچھی شہرت کے حامل افراد میں مذہبی طبقہ ہے جو عبادات میں تو مستعد ہوتا ہے لیکن کاروباری معاملات میں حلال و حرام کا خیال نہیں رکھتا، معاشرے کے ذمہ دار شہری اپنے پیشہ ورانہ فرائض باقاعدگی اور امانت داری سے ادا کرتے ہیں لیکن عبادات کو ذاتی مسئلہ قرار دے کر زیادہ اہمیت نہیں دیتے، سماجی کارکن خدمتِ خلق کے کاموں میں فعال ہوتے ہیں اور اِسی کو عبادات کا حاصل کہہ کر، عبادات سے پہلو تہی کرتے ہیں، واعظین دوسروں کو نیکی کی تلقین کرتے ہیں لیکن اپنے لیے بے عملی کے حیلے تراش لیتے ہیں۔ اِن تمام تصورات میں موجود مشترک غلطی ہے نیکی کا جزوی تصور۔ نیکی انسانی ہمدردی، عبادات اور معاملات میں دیانت داری کا مجموعہ ہے لیکن ہم نے اِس کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے کئی اجزاء میں تقسیم کر دیا، بقولِ اقبال:

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

نیکی کے حوالے سے مختلف تصورات کو ایک تمثیلی واقعہ کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ایک بستی میں چند نابینا رہتے تھے۔اُس بستی میں ایک ہاتھی آیا اور سب لوگ اُسے دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔یہ نابینا بھی ہاتھی کے پاس گئے تاکہ اُسے چھو کر اُس کے بارے میں کوئی تصور قائم کریں۔اُن میں سے جس کے ہاتھ میں ہاتھی کی دُم آئی،اُس نے کہا ہاتھی ایک رسی کی مانند ہے۔جس کا ہاتھ ٹانگ پر لگا اُس نے کہا ہاتھی ستون کی طرح ہے۔جس نے اُس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا،اُس کا خیال تھا کہ ہاتھی ڈھول کے مثل ہے۔جس کا ہاتھ کان پر پڑا،اُس نے ہاتھی کو ایک پردے سے تمثیل دی۔

قرآنِ حکیم میں جزوی نیکی اختیار کرنے کے حوالے سے شدید وعید بیان کی گئی ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾ (البقرۃ 2 : 85)

"کیا تم کتابِ (الٰہی) کے بعض احکامات کو تو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے، تو جو لوگ تم میں سے ایسی حرکت کریں، اُن کی سزا اِس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رُسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور جو تم کرتے ہو اللہ اُس سے غافل نہیں ہے"۔

سورۃ البقرۃ کی آیت زیرِ درس نیکی کا ایک جامع تصور بیان کر رہی ہے اور نیکی کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے یعنی نیکی کیا ہے؟ روحِ نیکی کیا ہے؟ نیکی کے لیے جذبۂ محرکہ کیا ہے؟ نیکی کے عملی مظاہر کیا ہیں؟ اِن مظاہر میں ترجیحات کیا ہیں؟ اور نیکی کی چوٹی کیا ہے؟

4. اِس آیت کے پس منظر میں تحویلِ قبلہ کا واقعہ ہے۔جب نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے وحیٔ خفی کے ذریعہ آپ ﷺ کو حکم دیا کہ نماز کے دوران اپنا رخ بیت المقدس کی طرف رکھیے۔اِس حکم کا مقصد مہاجر صحابہ کا امتحان لینا تھا جنہیں مسجدِ حرام سے شدید محبت تھی کہ آیا وہ اپنی محبت کو ترجیح دیتے ہیں یا اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کرتے

ہوئے مسجدِ حرام کے بجائے بیت المقدس کو قبلہ بنا لیتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ[2] آیت 143 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ ھَدَى اللّٰهُ

"اور ہم نے نہیں مقرر کیا وہ قبلہ جس پر کہ (اے نبی ﷺ) آپ تھے مگر اِس لیے تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون ہے جو رسول ﷺ کی پیروی کرتا ہے؟ اُس کے برعکس جو اپنی ایڑھیوں کے بل رُخ پھیر لیتا ہے اور یقیناوہ بہت بھاری (حکم) تھا سوائے اُن لوگوں کے جنہیں اللہ نے ہدایت دی"۔

جب مہاجر صحابہ کا امتحان اچھی طرح سے ہو گیا تو ہجرت کے 16 ماہ بعد تحویلِ قبلہ کا حکم اِن الفاظ میں وارد ہوا:

قَدْ نَرٰى تَـقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىھَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ شَطْرَهٗ (البقرۃ[2]: 144)

"(اے نبی ﷺ) ہم دیکھ رہے ہیں آپ ﷺ کے چہرے کا بار بار اُٹھنا آسمان کی طرف پس ہم پھیرے دیتے ہیں آپ ﷺ کے چہرے کو اُس قبلہ کی طرف کہ جس سے آپ ﷺ محبت کرتے ہیں، تو پھیر لیجئے اپنے چہرے (رخ) کو مسجدِ حرام کی طرف اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں پر بھی ہو پس پھیر لو اپنے چہروں کو اُس (مسجدِ حرام) کی طرف"۔

یہود کو تحویلِ قبلہ کے حکم سے شدید صدمہ ہوا۔ اُن کا قبلہ بیت المقدس تھا اور اب مسلمانوں کے لیے اُسے تبدیل کر دیا گیا۔ اُنہوں نے ایک بھرپور مخالفانہ مہم شروع کر دی کہ اسلام عجیب دین ہے کہ اِس میں قبلہ کا تعین ہی نہیں ہے۔ پہلے قبلہ تھا بیت المقدس اور اب مسجدِ حرام کو قبلہ بنا دیا گیا ہے۔ جو نمازیں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے پڑھی گئیں آیا وہ قبول ہوئیں یا نہیں؟ جو زندہ ہیں وہ تو اپنی نمازیں دہرا لیں گے لیکن مرحومین کی نمازوں کا کیا ہو گا؟ کچھ سادہ لوح مسلمان بھی اِس مخالفانہ مہم سے متاثر ہو کر شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے۔ اللہ

نے یہود کے اعتراضات اور اِن کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کا ازالہ اِس طرح فرمایا:

i. قبلہ کا تعین صرف اِس لیے کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں میں ایک مرکزیت اور وحدت قائم ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کسی سمت میں مقید نہیں بلکہ ہر طرف ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۗ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرۃ[2] : 115)

"اور اللہ ہی کے لیے ہیں مشرق اور مغرب پس تم جہاں بھی رخ کرو گے پس وہیں (متوجہ) پاؤ گے اللہ کا رخِ انور۔ بے شک اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے"۔

ہے پرے سر حدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

ii. اہمیت کسی رُخ کی نہیں اللہ کے حکم کی ہے۔ جس نے اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے نماز پڑھی بیت المقدس کی طرف، اللہ اُس کا ایمان ہر گز ضائع نہیں فرمائے گا:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (البقرۃ[2] : 143)

"اور اللہ تمہارا ایمان (یعنی نمازیں) ضائع کرنے والا نہیں ہے"۔

ایمان کا اولین مظہر نماز ہے، گویا اللہ نمازیں ضائع کرنے والا نہیں ہے۔

iii. اللہ نے سورۃ البقرۃ[2] کی آیت 144 کے بعد آیات 149 ور150 میں دوبارہ تحویلِ قبلہ کے حکم کو دہرایا تاکہ مسلمانوں کو اِس حکم کی اہمیت کا اندازہ ہو:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ

"اور آپ ﷺ جہاں کہیں سے نکلیں پس پھیر لیجئے اپنے چہرے (رخ) کو مسجدِ حرام کی طرف اور یقیناً یہ (حکم) حق ہے آپ ﷺ کے رب کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے اُس (عمل) سے جو تم سب کر رہے ہو اور (اے نبی ﷺ) آپ جہاں کہیں سے نکلیں تو اپنے چہرے کو پھیر لیجئے مسجدِ حرام کی طرف اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو پس

اپنے رخ پھیر لیا کرو مسجدِ حرام کی طرف"۔

iv. اِس کے بعد آیت زیرِ درس میں فرمایا گیا کہ تم نے مشرق و مغرب کی طرف رُخ کرنے کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دے دی ہے حالانکہ یہ نیکی کا ایک ظاہری پہلو ہے۔ نیکی کے ظاہر کی اہمیت اپنی جگہ لیکن زیادہ اہمیت نیکی کی حقیقت کی ہے۔اِس آیت میں نیکی کے صرف ظاہر کو اہمیت دینے کی گمراہی کی نفی کرکے نیکی کے جملہ پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔

آیت پر غور و فکر

"بِرّ "(نیکی) کی حقیقت:

لَيۡسَ الۡبِرَّ... نیکی یہی نہیں ہے ...اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ ... کہ تم پھیر لو اپنے چہرے ... قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ ... مشرق اور مغرب کی طرف... وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ... بلکہ نیکی تو اُس کی ہے جو ایمان لایا

- لفظ "اَلبِرّ" کا مادہ ہے ب ر ر۔اِس مادے سے بننے والے الفاظ میں اطمینان و سکون کا مفہوم پایا جاتا ہے، مثلاً عربی میں "اَلبَرُّ" خشکی کو کہتے ہیں اور سمندر سے خشکی پر آکر انسان ایک سکون محسوس کرتا ہے۔نیکی کرنے سے بھی انسان کو سکون ملتا ہے، لہٰذا اِس کے لیے عربی میں لفظ "اَلبِرُّ" استعمال ہوتا ہے۔اِس کے برعکس برائی کرنے سے دل میں ایک خلش پیدا ہوتی ہے۔جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

اَلۡبِرُّ حُسۡنُ الۡخُلُقِ وَ الۡاِثۡمُ مَا حَاكَ فِيۡ نَفۡسِكَ وَ كَرِهۡتَ اَنۡ يَّطَّلِعَ عَلَيۡهِ النَّاسُ[1]

"نیکی حسنِ اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے جی میں گھٹن پیدا کرے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اِسے جان لیں"۔

اِسی طرح آپ ﷺ نے ایک صحابی حضرت وابصہؓ سے فرمایا :

جِئۡتَ تَسۡاَلُنِيۡ عَنِ الۡبِرِّ وَ الۡاِثۡمِ؟ فَقَالَ: نَعَمۡ، فَجَمَعَ أَنَامِلَهُ فَجَعَلَ يَنۡكُتُ بِهِنَّ فِيۡ صَدۡرِيۡ وَ يَقُوۡلُ يَا وَابِصَةُ اِسۡتَفۡتِ قَلۡبَكَ وَ اسۡتَفۡتِ نَفۡسَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: اَلۡبِرُّ مَا اطۡمَاَنَّتۡ اِلَيۡهِ

(۱) صحیح مسلم، کتاب الۡبِرِّ وَ الصِّلَةِ وَ الۡآدَابِ، باب تَفۡسِيۡرِ الۡبِرِّ وَ الۡإِثۡمِ عن نوّاس بن سمعانؓ

النَّفْسُ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ وَاَفْتَوْكَ (۱)

"کیا تم مجھ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہو؟ صحابی نے عرض کیا جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر میرے سینے پر مارا اور تین مرتبہ ارشاد فرمایا: اپنے دل سے پوچھ لو اور اپنے نفس سے پوچھ لو! نیکی وہ ہے جس سے جی کو چین حاصل ہوتا ہے اور گناہ وہ ہے جو جی میں گھٹن پیدا کرے اور سینہ میں کھٹک محسوس ہو اگرچہ لوگ تجھے اُس کے جواز کا فتویٰ دے دیں"۔

- لَيْسَ الْبِرَّ کا مفہوم ہے کہ نیکی یہی نہیں ہے یعنی قبلہ کی طرف رُخ کرنا بھی نیکی ہے۔ قبلہ کی طرف رُخ کرنے سے پوری دنیا کے مسلمانوں میں ایک نظم اور باہمی وحدت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ نہیں فرمایا کہ مشرق و مغرب کی طرف رُخ کرنا کوئی نیکی نہیں۔ البتہ صرف اِسی کو نیکی سمجھ لینا نیکی کا محدود تصور ہے۔
- وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ نیکی کا انحصار عمل کے بجائے عمل کرنے والے پر ہے۔ مثال کے طور پر نماز کی ادائیگی ایک عمل ہے۔ یہ عمل نیکی ہے اگر نماز ادا کرنے والا اِسے خالصتاً اللہ کی رضا کے حصول کے لیے انجام دے رہا ہے۔ اگر نماز پڑھنے والا ریاکاری کر رہا ہے تو اُس کی نماز نیکی نہیں بلکہ بدترین گناہ یعنی شرک ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

مَنْ صَلّٰى يُرَاءِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ (۲)

"جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اُس نے شرک کیا"۔

نیکی کا ایمان سے تعلق:

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ... جو ایمان لایا اللہ پر ... وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ... اور آخرت کے دن پر ... وَالْمَلٰٓئِكَةِ ... اور فرشتوں پر ... وَالْكِتٰبِ ... اور کتابوں پر ... وَالنَّبِيّٖنَ ... اور نبیوں پر ...

(۱) مسند احمد، کتاب بَاقِی مُسْنَدُ الشَّامِيِّينَ، باب حَدِيثُ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ الْأَسَدِيِّ نَزَلَ الرَّقَّةَ، 17320

(۲) مسند احمد، کتاب بَاقِی مُسْنَدُ الشَّامِيِّينَ، باب حَدِيثُ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ، 16517

آیت کے اِس حصّہ میں پانچ ایمانیات کا ذکر ہے یعنی اللہ ، آخرت، فرشتوں، کتابوں اور انبیاء پر ایمان۔ البتہ فرشتوں، کتابوں اور انبیاء کا تعلق ایمان بالرسالت سے ہے لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ بنیادی طور پر یہاں ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی توحید، آخرت اور رسالت کا ذکر ہے۔

- نیکی کی بحث کا آغاز ایمان کے ذکر سے کرنے کی حکمت یہ ہے کہ:

i. ایمان نیکی کے لیے جذبۂ محرکہ (Motivating Force) ہے۔ نیکی کرنے کے لیے محنت بھی کرنی پڑتی ہے اور بعض اوقات مادی اعتبار سے نقصان بھی اُٹھانا پڑتا ہے۔ اِس کے برعکس گناہ سے انسان کو لذت بھی حاصل ہوتی ہے اور اکثر وقتی فوائد بھی سمیٹ لیے جاتے ہیں۔ نیکی کا اجر آخرت میں ملے گا اور گناہ کا فائدہ فوری ہاتھ لگ جاتا ہے۔ انسان جلد باز ہے اور وہ "تیرہ ادھار" کے بجائے "نو نقد" کا سودا کرنے کو ترجیح دیتا ہے، بقولِ شاعر:

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ایمان وہ جذبۂ محرکہ ہے جو باوجود نقصان کے انسان کو نیکی پر کاربند رکھتا ہے۔ اِس کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک ہے مثبت جذبۂ محرکہ یعنی اللہ کی رضا کے حصول کے لیے نیکی کی جائے۔ سورۃ الیل[92] آیات 17 تا 21 میں ارشاد ہوا:

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی ﴿١٨﴾ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی ﴿١٩﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ﴿٢٠﴾ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰی ﴿٢١﴾

"اور جو بڑا پرہیز گار ہے وہ (جہنم سے) بچا لیا جائے گا۔ وہ جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ (دنیا کی محبت سے) پاک ہو۔ اور اِس لیے نہیں (دیتا) کہ اُس پر کسی کا احسان ہے جس کا وہ بدلا اُتارتا ہے بلکہ اپنے اعلیٰ رب کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے۔ اور عنقریب (اُسے ایسا اجر دیا جائے گا کہ) وہ خوش ہو جائے گا"۔

دوسرا پہلو ہے منفی جذبۂ محرکہ یعنی آخرت میں جواب دہی کا احساس اور اِس کے تحت خوف جو انسان کو نیکی کرنے پر مجبور کردے۔سورۃ النازعات[79] آیات 40 اور 41 میں اِس حوالے سے ارشاد ہوا:

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ۝۴۰ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰىؕ۝۴۱

"اور جو اپنے رب کے سامنے جواب دہی کے احساس سے ڈرتا رہا اور اُس نے اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے روکے رکھا تو جنت ہی اُس کا ٹھکانہ ہے"۔

حضرت علی کا حکیمانہ قول ہے کہ عبادت کے تین محرکات ہوتے ہیں۔پہلی عبادت وہ جو جنت کی طلب میں کی جاتی ہے۔یہ ایک تاجر کی عبادت ہے۔دوسری وہ جو جہنم کے خوف سے کی جاتی ہے۔یہ ایک غلام کی عبادت ہے۔تیسری وہ جو اللہ کی محبت کی وجہ سے کی جاتی ہے۔یہ بندۂ مومن کی عبادت ہے۔

ii. ایمان نیکی کی روح ہے۔یہ حقیقت ایمانیاتِ ثلاثہ کے ساتھ نیکی کا ربط سمجھنے سے واضح ہوتی ہے۔توحید کے اعتبار سے وہی عمل نیکی ہے جس کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول ہو، آخرت کے اعتبار سے وہی عمل نیکی ہے جس کا اجر صرف آخرت میں مطلوب ہو اور رسالت کے اعتبار سے وہی عمل نیکی ہے جو سنت کے خلاف نہ ہو۔اللہ اور آخرت پر ایمان کے ساتھ نیکی کا ربط قرآنِ حکیم میں بار بار بیان ہوا:

وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا۝۹ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا۝۱۰ (الدھر[76]: 8-10)

"اور وہ اللہ کی محبت کی وجہ سے محتاجوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔(اور کہتے ہیں) کہ ہم تمہیں خالص اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں۔نہ تم سے کسی بدلہ کے طلب گار ہیں نہ شکر گزاری کے۔ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے اُس دن کے احساس سے جو سخت اُداس کر دینے والا ہے"۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

(البقرۃ[2]: 272)

"اور تم جو بھی انفاق کرو تو کرو اللہ کی خوشنودی کے لیے۔ اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیدیا جائے گا (روزِ قیامت) اور تمہارا کچھ نقصان نہ کیا جائے گا"۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝۳۸ (النساء[4]: 38)

"اور جو لوگ مال خرچ کرتے ہیں لوگوں کے دکھانے کے لیے، وہ (درحقیقت) ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور نہ ہی روزِ آخرت پر۔ (ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے) اور جس کا ساتھی شیطان ہوا تو (کچھ شک نہیں کہ) وہ بُرا ساتھی ہے"۔

ارشادِ نبوی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ فَاُتِيَ بِه فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اُسْتُشْهِدْتُّ قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُّقَالَ جَرِيْءٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَاَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَّسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَاقَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَّادٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِه فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ (۱)

"قیامت والے دن جن لوگوں کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا، اُن میں ایک وہ آدمی ہو گا

(۱) صحیح مسلم، کتاب الْإِمَارَةِ، باب مَنْ قَاتَلَ لِلرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ اسْتَحَقَّ النَّارَ عن عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ

جو شہید ہو گیا تھا، پس اُسے (بارگاہ الٰہی میں) پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اُسے اپنی نعمتیں یاد کروائے گا، وہ انہیں پہچان لے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تونے اِن کی وجہ سے کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا، میں نے تیری راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ،تونے جھوٹ کہا، تو تو اِس لیے لڑا تھا تا کہ تجھے بہادر کہا جائے، پس تجھے (دنیا میں) بہادر کہہ لیا گیا۔ پس اُس کی بابت حکم دیا جائے گا تو اُسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور دوسرا وہ شخص ہو گا جس نے (دین کا) علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھلایا اور قرآن پڑھا، پس اُس کو پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اُسے اپنی نعمتیں یاد کروائے گا، وہ انہیں پہچان لے گا، اللہ تعالیٰ پوچھے گا، تونے اِن کی وجہ سے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا، میں نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لیے قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تونے جھوٹ کہا، تونے تو علم اِس لیے حاصل کیا تھا تا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اِس لیے پڑھا تا کہ تجھے قاری کہا جائے۔ پس تحقیق تجھے (دنیا میں ایسا) کہہ لیا گیا اور اُس کی بابت حکم دیا جائے گا، پس اُسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور (تیسرا) وہ شخص ہو گا، جس کو اللہ نے کشادگی عطا فرمائی تھی اور اُسے مختلف قسم کے مال سے نوازا تھا، پس اُسے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اُسے اپنی نعمتیں یاد کروائے گا، وہ انہیں پہچان لے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تونے اِن کی وجہ سے کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا، میں نے کوئی ایسا راستہ جس میں خرچ کیے جانے کو تو پسند کرتا تھا، نہیں چھوڑا، مگر اِس میں تیری خاطر ضرور خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تونے جھوٹ کہا، تونے تو یہ اِس لیے کیا کہ کہا جائے کہ تو بڑا سخی ہے۔ پس تحقیق تجھے (دنیا میں ایسا) کہہ لیا گیا اور اُس کی بابت حکم دیا جائے گا، پس اُسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا"۔

رسالت کے اعتبار سے یہ بات اہم ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہی نیکی کو ایک متوازن نمونہ اور معین صورت عطا کرتی ہے۔ اِس نکتہ کی وضاحت بخاری و مسلم کی ایک روایت میں سامنے آتی ہے:

جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا فَقَالُوا وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَحَدُهُمْ أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا وَقَالَ آخَرُ أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ وَقَالَ آخَرُ أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا أَمَا وَاللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي (۱)

"تین آدمی نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بیویوں کے گھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عبادت کا حال و کیفیت پوچھنے آئے۔ جب اُنہیں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عبادت کی کیفیت بتائی گئی تو گویا اُنہوں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عبادت کو کم سمجھا۔ پھر اُن لوگوں نے آپس میں کہا کہ ہم کہاں اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کہاں یعنی ہمیں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کیا نسبت؟ اللہ تعالیٰ نے تو اُن کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔ پھر اُن میں سے ایک شخص نے کہا میں تو اب تمام رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کروں گا اور کبھی دن میں افطار نہیں کروں گا۔ ایک اور نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ اتنے میں اُن کے پاس نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تشریف لائے اور فرمایا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے یہ یہ کہا ہے۔ سنو اللہ کی قسم! میں تمہاری نسبت اللہ سے سے زیادہ ڈرتا ہوں اور اُس کی نافرمانی سے بچنے کا زیادہ خیال رکھتا ہوں، مگر (دیکھو) میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور (کسی دن) نہیں بھی رکھتا ہوں اور (رات میں) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جو شخص میری سنت سے منہ موڑے گا اُس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب النِّکَاحِ، باب التَّرْغِيبِ فِي النِّكَاحِ عن انس بن مالکؓ وصحیح مسلم، کتاب النِّکَاحِ، باب اسْتِحْبَابِ النِّكَاحِ لِمَنْ تَاقَتْ نَفْسُهُ إِلَيْهِ وَوَجَدَ مُؤَنَهُ وَاشْتِغَالِ

نیکی کا پہلا عملی مظہر

انسانی ہمدردی

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ... اور اُس نے دیا مال باوجود اِس کی محبت کے ... ذَوِي الْقُرْبٰی ... قرابت داروں کو... وَالْيَتٰمٰی... اور یتیموں کو... وَالْمَسٰكِيْنَ... اور محتاجوں کو... وَابْنَ السَّبِيْلِ... اور مسافروں کو... وَالسَّآئِلِيْنَ... اور مانگنے والوں کو ... وَفِي الرِّقَابِ... اور گردنوں کے چھڑانے میں

- نیکی کا اوّلین عملی مظہر ہے انسانی ہمدردی اور اِس کے تحت مستحقین کے لیے اپنی محبوب شے یعنی مال خرچ کرنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آلِ عمران[3]: 92)

"تم اصل نیکی نہیں پا سکتے جب تک اُس میں سے خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہے"۔

نیکی کے حوالے سے انسانی ہمدردی کا یہ مقام ہے کہ اِسے عبادات سے بھی مقدم کیا گیا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

مَن يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ (۱)

"جو کوئی دل کی نرمی سے محروم ہو گیا وہ خیر سے محروم ہو گیا"۔

- انفاقِ مال کے حوالے سے مستحقین میں ترجیحات اِس آیت میں بیان شدہ ترتیب کے مطابق ہوں گی۔

i. انسان کے صدقہ و خیرات کے اولین حق دار اِس کے قرابت دار ہیں۔

ii. دوسرے حق دار ہیں یتیم جن کے ساتھ حسنِ سلوک کی اِسلامی تعلیمات میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ اِس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ احساسِ محرومی کا شکار نہ ہوں۔ یہ احساسِ محرومی نہ صرف اُن کے لیے بھی تکلیف دہ ہوتا ہے بلکہ پورے معاشرے کے امن و امان کے لیے بھی۔ تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ جو بچے بچپن میں احساسِ محرومی کا شکار ہوتے ہیں وہی بڑے ہو کر ردِّ عمل کے طور پر جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے یتیم کی

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب فَضْلِ الرِّفْقِ عن جریرؓ

کفالت کرنے والوں کو بہت اجر و ثواب اور جنت میں اپنی رفاقت کی خوشخبری دی ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَ اَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَ الْوُسْطٰى وَ فَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا(۱)

"میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا، جنت میں اِس طرح ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیان والی انگلی کے درمیان کشادگی فرمائی (یعنی قریب ہونے کے باوجود، درجات میں فرق و تفاوت ہو گا)"۔

iii. یتیموں کے بعد حق ہے ایسے مساکین کا جو باوجود کوشش کے یا کسی معذوری کی وجہ سے اپنی ضروریات پوری نہ کر سکتے ہوں۔

iv. اگر کسی مسافر کو دورانِ سفر کوئی احتیاج لاحق ہو جائے تو قرآنِ حکیم میں آٹھ بار تلقین کی گئی کہ اُس کی مدد کی جائے۔

v. سائلین یعنی مانگنے والوں سے مراد ایسے لوگ ہیں جو عادتاً یا پیشہ کے طور پر نہیں بلکہ کسی وقتی پریشانی کی وجہ سے سوال کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ اِس طرح کے لوگ اپنی عزتِ نفس کا سودا کر کے اگر سوال کریں تو اُن کی مدد کرنی چاہیئے۔ البتہ پیشہ ور بھکاریوں کی مدد کرنا مناسب نہیں کیونکہ اِس سے کسبِ حلال کے لیے کوشش نہ کرنے اور محنت سے جی چرانے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

vi. گردنوں کے چھڑانے سے مراد غلاموں کو آزاد کرانا اور کسی قرض یا تاوان سے کسی کو نجات دلانا ہے۔

نیکی کا دوسرا عملی مظہر

عبادات کا اہتمام

وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ ... اور اُس نے نماز قائم کی ... وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ... اور اُس نے زکوٰۃ دی ...

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الطَّلَاقِ، باب اللِّعَانِ عن سهلؓ

- عبادات میں سے یہاں ذکر ہے نماز اور زکوٰۃ کا۔ یہ دو بنیادی عبادات ہیں جن کا ذکر قرآنِ حکیم میں بار بار آیا ہے۔ نماز کے ذریعہ انسان اللہ کی طرف بار بار متوجہ ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ (طٰهٰ[20]: 14)

"اور قائم کرو نماز میری یاد کے لیے"۔

زکوٰۃ کے ذریعہ دل سے مال یعنی غیر اللہ کی محبت نکلتی ہے اور انسان کے باطن کی صفائی ہوتی ہے۔

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا (التوبة[9]: 103)

"اُن کے مال میں سے (اے نبی ﷺ) صدقات قبول کیجئے۔ (اِس طرح) اُنہیں پاک کیجئے (گناہوں سے) اور صاف کیجئے (اُن کا دل دنیا کی محبت سے)"۔

گویا نماز اور زکوٰۃ دونوں ہی قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

- عبادات میں پہلے ذکر ہے نماز کا جو کہ ذریعہ ہے ایمان یعنی روحِ نیکی کی آبیاری کا:

سرکشی نے کر دیئے دھندلے نقوشِ بندگی
آؤ سجدے میں گریں لوحِ جبیں تازہ کریں

نماز کے بعد ذکر ہے زکوٰۃ کا جو ذریعہ ہے نیکی کے مظہرِ اوّل یعنی جذبۂ انفاق کی آبیاری کا۔

- اِس آیت میں پہلے انفاق کا ذکر ہے اور پھر زکوٰۃ کا۔ اِسی آیت کو دلیل بناتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِی الۡمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ (۱)

"یقیناً مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی (مستحقین) کا حق ہے"۔

نیکی کا تیسرا عملی مظہر

معاملات میں ایفائے عہد

وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ ... اور وہ پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو ... اِذَا عٰهَدُوۡا ... جب بھی عہد کریں

---

(۱) سنن ترمذی، کتاب الزَّکَاۃِ عَنۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ، باب مَا جَاءَ اَنَّ فِی الۡمَالِ حَقًّا سِوَي الزَّکَاۃِ

- نیکی کا تیسرا مظہر یہ ہے کہ عہد کرنے کے بعد اُس کی پاسداری کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل 17 :34)

"اور عہد کو پُورا کرو بلاشبہ عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا"۔

نبی اکرم ﷺ نے وعدہ خلافی کو منافق کی ایک نشانی قرار دیا:

اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ

زَادَ فِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ (۱)

"منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے، جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے، اُسے پورا نہ کرے اور جب اُس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ خیانت کرے"۔ مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔ "اگرچہ وہ روزے رکھے اور نماز پڑھے اور گمان رکھے کہ وہ مسلمان ہے"۔

نیز آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے:

لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَ لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَه (۲)

"جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا اُس کا ایمان ہی نہیں، جو وعدہ پورا نہیں کرتا اُس کا کوئی دین نہیں"۔

- تمام معاملاتِ انسانی تحریری یا غیر تحریری معاہدوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اِس آیت اور متذکرہ بالا ارشاداتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ہم پر اِن کا احترام لازم ہے۔ معاہدوں کی تین اقسام ہیں:

i. **اپنے آپ سے عہد:** جیسے کسی نیکی کا ارادہ کرنا، گناہوں پر توبہ کرنا، کوئی قسم اُٹھالینا یا کوئی نذر مان لینا۔

ii. **بندوں سے عہد:** جیسے حقوق العباد کی ادائیگی مثلاً والدین، اولاد، شوہر یا بیوی اساتذہ اور پڑوسیوں وغیرہ کے حقوق۔ ملازمت، کاروبار یا دیگر پیشہ ورانہ معاہدات وغیرہ۔

iii. **اللہ سے عہد:** کلمہ پڑھ کر ہم نے اللہ کے ساتھ جنت کے عوض مال اور جان لگانے کا سودا کرلیا ہے:

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الْإِيمَانِ، باب عَلَامَةِ الْمُنَافِقِ و صحیح مسلم، کتاب الْإِيمَانِ، باب بَيَانِ خِصَالِ الْمُنَافِقِ عن ابی هریرة

(۲) مسند احمد، کتاب بَاقِي مُسْنَدِ الْمُكْثِرِينَ، باب مُسْنَدُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ، 11935

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ (التوبة 9: 111)

"اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لیے ہیں (اور اِس کے) عوض میں اُن کے لیے جنت (تیار کی) ہے، یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو قتل کرتے بھی ہیں اور قتل کئے بھی جاتے ہیں"۔

اِس عہد کا تقاضاہے کہ قتال فی سبیل اللہ کے مرحلہ تک پہنچنے کی بھرپور تیاری کی جائے۔ انفرادی زندگی بسر کرنے سے یہ مرحلہ کبھی نہیں آئے گا۔اِس کے لیے ضروری ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد میں مصروف کسی جماعت سے وابستہ ہوکر فعال طریقہ سے کام کیاجائے تاکہ تحریک تصادم کے مرحلہ تک پہنچ سکے۔ نبی اکرم ﷺ نے 15 برس تک یہ تیاری کی۔ دعوت کے ذریعہ ایک جماعت فراہم کی اور تربیت کے ذریعہ اُسے مستحکم کیا۔ نبوت کے ظہور کے 15 برس بعد بدر کے معرکہ سے قتال فی سبیل اللہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ مسلم شریف میں روایت ہے:

مَنْ مَّاتَ وَ لَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنْ نِّفَاقٍ (۱)

"جسے موت آئی اِس حال میں کہ اُس نے نہ جنگ کی اور نہ اُس کے دل میں کبھی اِس کی خواہش پیدا ہوئی تو گویا وہ نفاق کی ایک شاخ پر مرا"۔

آیت کے اگلے حصّہ میں اللہ کی راہ میں جنگ کا ذکر آرہاہے۔

نیکی کا چوتھا عملی مظہر

معرکۂ حق و باطل میں ثابت قدمی

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ... اور بالخصوص صبر کرنے والے سختیوں میں... وَالضَّرَّآءِ... اور تکالیف میں ... وَحِیْنَ الْبَاْسِ... اور لڑائی کے وقت ... اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا...یہی لوگ سچے ہوئے ... وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ...اور یہی لوگ متقی ہیں۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الْإِمَارَۃِ، باب ذَمِّ مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ نَفْسَہٗ بِالْغَزْوِ عن ابی ھریرۃ

- آیت کے اِس حصّہ میں صابرون کے بجائے لفظ "صابرین" آیا ہے۔اِس لفظ کا یہ خاص اسلوب یعنی اِس کی حالتِ نصب (objective case) ظاہر کرہی ہے کہ نیک انسان کی یہ امتیازی شان کہ وہ حق و باطل معرکہ میں حصّہ لے اور بدی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اِس کا مقابلہ کرے، اللہ کے نزدیک انتہائی اہم ہے۔اِسی لیے اِس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے "بالخصوص صبر کرنے والے"۔
- دیگر مذاہب اور فلسفہ ہائے اخلاق میں لڑائی کو نیکی کے منافی سمجھا جاتا ہے لیکن اِسلام کے فلسفہٗ اخلاق میں نیکی کی چوٹی ہے باطل سے پنجہ آزمائی۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ○(الصف[61]: 4)

"بلاشبہ اللہ تو محبت کرتا ہے اُن سے جو جنگ کرتے ہیں اُس کی راہ میں جم کر صف در صف گویا کہ وہ ہیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار"۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے محبوب بندے وہ ہیں جو منظم صورت میں اور ڈٹ کر اللہ کی راہ میں یعنی اُس کے دین کے غلبہ کے لیے اِس طرح جنگ کریں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہیں۔

- اِسلام راہبانہ تصّورِ نیکی کی نفی کرتا ہے اور نیکی کا ایک حرکی یعنی Dynamic تصّور پیش کرتا ہے بقولِ اقبال:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری　　　　که فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

اسلام کے فلسفہٗ اخلاق میں خانقاہی نظام کے برعکس اعلیٰ ترین نیکی وہ عمل ہے جو قتال فی سبیل اللہ کی طرف لے جائے۔اللہ کی محبت محض تسبیح و تحمید اور ذکر و اذکار سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اُس کے لیے نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں آنا ہوتا ہے۔قرآن اللہ والے اُن کو قرار دیتا ہے جو اللہ کی راہ میں پامردی کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔سورۃ آلِ عمران 3 آیت 146 میں ارشاد ہوا:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝١٤٦

"اور کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ مل کر اللہ والوں نے جنگ کی ہے تو جو مصیبتیں اُن پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں اُن کے سبب اُنہوں نے نہ تو ہمت ہاری اور نہ بزدلی دکھائی، نہ (کافروں سے) دبے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے (ڈٹ جانے) والوں سے محبت کرتا ہے"۔

اِسی طرح سورۃ الاحزاب[33] آیت 23 میں ایسے جواں مردوں کی مدح یوں بیان کی گئی:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (الاحزاب[33]: 23)

"مومنوں میں وہ جواں مرد بھی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا وہ عہد جو اُنہوں نے اللہ سے کیا تھا تو اُن میں کچھ ایسے ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے اور کچھ ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور اُنہوں نے (اپنے عہد کی بات کو) ذرا بھی نہیں بدلا"۔

ایک نیک، سچا اور متقی انسان کون ہے؟

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا... یہی لوگ سچے ہوئے... وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ... اور یہی لوگ متقی ہیں۔

آیت کے آخری حصّہ میں حصر کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے اعلان کیا گیا کہ ایک نیک، سچا اور متقی انسان وہ ہی ہے جو اِس آیت میں بیان شدہ تمام باتوں پر عمل پیرا ہو۔ صرف خدمتِ خلق کرنے والا سماجی کارکن ہو سکتا ہے، محض عبادات بجالانے والا عابد ہو سکتا ہے، معاملات کی حد تک میں عہد پورا کرنیوالا ذمہ دار ہو سکتا ہے، فقط نظامِ باطل کے خلاف تحریک میں حصّہ لینے والا تحریکی کارکن تو ہو سکتا ہے لیکن ایک نیک، سچا اور متقی انسان صرف وہ ہے جس کی نیکی میں اخلاصِ نیت ہو، وہ انسان دوست ہو، عبادت گزار ہو، معاملات میں کھرا ہو اور حق و باطل کے معرکہ میں ثابت قدمی سے حق کا ساتھ دینے والا ہو۔

منتخب نصاب حصّہ اوّل

درسِ سوم: سورۃ لقمان[31] آیات 12 تا 19

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ
اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ
عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ
اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ
فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ
فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ
اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ
بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ
خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ
مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ اوّل کا درسِ سوم سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع یعنی آیات 12 تا 19 کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔
2. رکوع کسی سورۃ کا وہ حصّہ ہے جس میں ایک مضمون کے بیان کی تکمیل ہو جاتی ہے اور اِس کے ذریعہ سے نماز کی ایک رکعت میں قرآنِ حکیم کا مناسب حصّہ تلاوت کیا جا سکتا ہے۔
3. سورۃ لقمان کے اِس رکوع میں سورۃ العصر بیان شدہ نجات کی شرائط ایک نئے اسلوب میں اِس طرح واضح کی گئی ہیں :

i. ایمان کی وضاحت میں اللہ پر ایمان کا ذکر اِس طرح وارد ہوا کہ اللہ کا شکر ادا کرنے کا حکم

آیت 12 میں ہے، اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنے کا حکم آیت 13 میں ہے اور اللہ کی چار صفات (غنی، حمید، لطیف، خبیر) کا بیان آیات 12 اور 16 میں آیا ہے۔ آخرت پر ایمان کے ذیل میں اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ (میری طرف ہی لوٹنا ہے) کے الفاظ آیت 14 میں آئے ہیں، اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ (پھر میرے پاس ہی تم سب کو لوٹنا ہے تو میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم کرتے رہے) کی خبر آیت 15 میں دی گئی اور اِنَّهَاۤ اِنۡ تَكُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ فَتَكُنۡ فِىۡ صَخۡرَةٍ اَوۡ فِى السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِى الۡاَرۡضِ يَاۡتِ بِهَا اللّٰهُ (اگر ہو کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر پھر وہ کیا جائے کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں اللہ اُسے لے آئے گا) کی حقیقت آیت 16 میں بیان ہوئی ہے۔ ایمان بالرسالت کا بیان اِس مقام پر نہیں ہے اور نہ ہی اُن تفصیلات کا ذکر ہے جن کا علم کسی رسول کے ذریعہ ہوتا ہے۔

ii. عملِ صالح کے ضمن میں والدین کے حقوق اور بالخصوص ماں کا حق آیت 14 میں بیان ہوا ہے۔ عبادات میں سے نماز کا ذکر آیت 17 میں آیا ہے۔ حسنِ سیرت کے دو پہلوؤں عاجزی اور میانہ روی کا ذکر آیات 18 اور 19 میں ہے۔

iii. تواصی بالحق کے حوالے سے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا بیان آیت 17 میں ہے۔

iv. تواصی بالصبر کا ذکر آیت 17 میں ہے۔ اِس آیت میں نہی عن المنکر کے ردعمل میں آنے والی تکالیف پر صبر اور اِس کے لیے درکار ہمت و حوصلہ کا بیان ہے۔

4. سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع کی آٹھ میں سے چھ آیات حضرت لقمان کے تعارف اور اُن کی تعلیمات کے بیان پر مشتمل ہیں۔ حضرت لقمان کی شخصیت کے حوالے سے قابلِ ذکر نکات حسبِ ذیل ہیں:

- بعض مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت لقمان یمن کے بادشاہ تھے جبکہ کچھ کی رائے یہ ہے کہ وہ سوڈان کے حبشی النسل غلام اور پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے۔
- حضرت لقمان نبی نہیں تھے، البتہ اِس میں اختلاف ہے کہ کسی نبی کے پیروکار تھے یا نہیں۔ اِس رکوع کے مضامین کی داخلی شہادت ہے کہ کسی نبی کے پیروکار نہیں تھے۔ اِس رکوع

میں نہ ایمان بالرسالت کا تذکرہ ہے اور نہ ایمان و عمل کے حوالے سے اُن تفصیلات کا بیان ہے جن کا علم کسی رسول ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

- حضرت لقمان ایک حکیم اور دانا انسان تھے۔ اُن کے اقوال اہلِ عرب اپنے کلام اور خطبات میں بطورِ دلیل پیش کیا کرتے تھے۔ اِسی لیے اللہ نے اُن کی اپنے بیٹے کے حوالے سے نصیحت، اتمامِ حجت کے لیے اہلِ عرب کے سامنے بیان کر دی کہ دیکھو حضرت لقمان کی تعلیمات بھی وہی تھیں جو آج حضرت محمد ﷺ پیش فرما رہے ہیں۔
- اللہ نے حضرت لقمان کو یہ اعزاز بخشا کہ قرآنِ حکیم کی ایک پوری سورۃ آپ کے نام سے موسوم کر دی۔ آپ کے علاوہ صالحینِ غیر انبیاء میں سے یہ شرف حضرت مریم اور مومنِ آلِ فرعون کو بھی حاصل ہوا۔

5. یہ درس انسان کی فطرتِ سلیمہ کی ترجمانی کے موضوع پر ہے۔ حضرت لقمان ایک سلیم الفطرت انسان تھے جو اپنی زندگی بھر کی متاع یعنی اپنے غور و فکر کا حاصل، اپنے بیٹے کو نصیحت کی صورت میں منتقل کر رہے ہیں، بقولِ اقبال:

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر　　　اِسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اِسے　　　لٹا دے ٹھکانے لگا دے اِسے

6. سورۃ لقمان کے اِس رکوع کی آیات کا تجزیہ اِس طرح سے ہے:

آیت 12 :	حضرت لقمان کا تعارف
آیات 13، 16-19 :	حضرت لقمان کی نصیحت یا وصیت کے 8 نکات
آیات 14-15 :	اللہ تعالیٰ کی وصیت

رکوع کے مضامین پر غور

آیت 12: (حضرت لقمان کا تعارف)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ... اور یقیناً ہم نے دی لقمان کو دانائی ... اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ... کہ کر شکر اللہ کا ... وَمَنْ يَّشْكُرْ ... اور جو کوئی بھی شکر کرتا ہے ... فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ... تو وہ شکر کرتا ہے اپنے ہی

لیے ... وَمَنۡ كَفَرَ... اور جس نے ناشکری کی... فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيۡدٌ۝ تو بے شک اللہ کسی کا محتاج نہیں اور بذاتِ خود محمود ہے۔

اِس آیت میں بعض اہم اصطلاحات حکمت، شکر، کفر اور اللہ کی دو صفات غنی اور حمید بیان ہوئی ہیں، جن کا فہم آیت کے مضمون کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔

حکمت:

- حکمت کا مفہوم سمجھنے سے قبل اِس کی فضیلت و اہمیت کے تین پہلوؤں پر غور کیجئے:

i. سورۃ البقرۃ[2] آیت 269 میں حکمت کو عطیۂ خداوندی اور خیرِ کثیر یعنی بہت بڑی دولت قرار دیا گیا:

يُّؤۡتِى الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا

"وہ (اللہ) جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت دے دی گئی پس اُسے تو بہت بڑی بھلائی دے دی گئی"۔

ii. حکمت تمہیدِ نبوت ہے یعنی نبوت سے قبل انبیاء کو حکمت دی جاتی ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا (یوسف[12]: 22)

"اور جب وہ (یوسف) اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے اُن کو حکمت اور علم سے نوازا"۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسۡتَوٰۤى اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا (القصص[28]: 14)

"اور جب وہ (موسیٰ) جوانی کو پہنچے اور بھرپور جوان ہوگئے تو ہم نے اُنہیں حکمت اور علم عطا فرمایا"۔

iii. حکمت مومن کی گُم شدہ متاع ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

اَلۡكَلِمَةُ الۡحِكۡمَةُ ضَالَّةُ الۡمُؤۡمِنِ فَحَيۡثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (۱)

"حکمت کی بات مومن کی گمشدہ متاع ہے، وہ اِس کا زیادہ حق دار ہے جہاں کہیں اُسے پائے"۔

- حکمت کے معنی ہیں دانائی۔ اصطلاحی طور پر حکمت شعورِ انسانی کی اُس پختگی کو کہا جاتا ہے جس

---

(۱) سنن ترمذی، کتاب الۡعِلۡمِ عَنۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﷺ، باب مَا جَاءَ فِيۡ فَضۡلِ الۡفِقۡهِ عَلَى الۡعِبَادَةِ عن ابی ہریرۃ

میں حق و باطل میں تمیز، خیر کی جانب فیصلہ کُن میلان اور شر سے نفرت پیدا ہو چکی ہو اور اصابتِ رائے کا شرف حاصل ہو جائے۔ دوسرے الفاظ میں حکمت سے مراد وہ بصیرتِ باطنی ہے جس کے ذریعہ اشیاء کی حقیقت کو دیکھا جاتا ہے۔ مسنون دعا ہے:

اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ (۱)

"(اے اللہ!) ہمیں اشیاء کو اِس طرح دکھا جیسی کہ وہ ہیں"۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

اشیاء کی حقیقت نظر آجائے تو پھر ہر شے کو اُس کے صحیح مقام پر رکھا جاتا ہے۔ اِسی لیے حکمت کی ایک تعریف یوں بھی کی جاتی ہے اَلْحِکْمَۃُ وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ مَحَلِّہٖ (حکمت ہے ہر شے کو اُس کے درست مقام پر رکھنا)۔

- کسی شے کی حقیقت کو بیان کرنے کے لیے حکمت کے علاوہ فلسفہ کی اصطلاح بھی اِستعمال کی جاتی ہے لیکن اِن دونوں میں فرق ہے۔ فطرت کی روشنی میں اشیاء پر غور و فکر کا حاصل ہے حکمت اور منطق کی روشنی میں اشیاء پر غور و فکر کا حاصل ہے فلسفہ:

حکمت = فطرت + عقل

فلسفہ = منطق + عقل

عقل کرائے کا وکیل ہے۔ اِسے جس رُخ پر اِستعمال کیا جائے یہ اُسی کے مطابق نتائج دیتی ہے۔ فطرت ہماری روح کی ترجمان ہے اور اِس میں توحید کا تصور، اللہ سے محبت اور اُس کی طرف میلان ودیعت شدہ ہے۔ اِس کی روشنی میں عقل کا اِستعمال انسان کو اشیاء کی حقیقت کا علم دیتا ہے۔

---

(۱) تفسیر رازی، سورۃ الفاتحۃ، آیت 7

شکر :

- امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں شکر کی تعریف اِس طرح کی ہے:

اَلشُّکْرُ تَصَوَّرُ النِّعْمَۃِ وَاِظْھَارُھَا

"شکر نعمت کو یاد رکھنے اور اِس کے اظہار (یعنی ردِّ عمل) کا نام ہے"۔

- شکر کے تین درجات ہیں:

i. **شکر بالقلب** یعنی دل کی گہرائی سے کسی نعمت و احسان کا اعتراف کرنا۔

ii. **شکر باللسان** یعنی زبان سے کسی نعمت و احسان کا اعتراف کرنا۔

iii. **شکر بالجوارح** یعنی پورے وجود سے کسی نعمت و احسان کا اعتراف کرنا یعنی اپنے کسی عمل سے نعمت کی ناقدری نہ کرنا۔

- وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَۃَ اَنِ اشۡکُرۡ لِلّٰہِ (اور یقیناً ہم نے دی لقمان کو دانائی کہ کر شکر اللہ کا) کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ حکمت کا مظہرِ اوّل شکر ہے۔ فطرت اگر سلامت ہے یعنی آلودگی سے پاک ہے تو اِس کا اظہار شکر کی صورت میں ہوتا ہے اور اب عقلِ سلیم کی روشنی میں مُنعمِ حقیقی اور محسنِ اصلی یعنی اللہ کی معرفت تک رسائی ہو جاتی ہے۔ گویا کسی انسان کا شکر گزار ہونا اُس کی فطرت کے صحیح ہونے کی علامت ہے۔
- جذبۂ شکر، عبادتِ رب کی حقیقی بنیاد ہے۔ مُنعمِ حقیقی اور محسنِ اصلی کی معرفت کے حصول کے بعد انسان میں اُس کی بندگی کی خواہش فطری طور پر پیدا ہوتی ہے:

ھَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ۝ (الرحمٰن [55] :60)

"بھلا نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟"

- وَمَنۡ یَّشۡکُرۡ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ کے الفاظ شکر کی افادیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ شکر کرنے کا فائدہ خود انسان ہی کو ملتا ہے۔ کسی نعمت پر شکر اُس میں برکت و اضافہ کا ذریعہ بنتا ہے:

لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَلَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ ۝ (ابراھیم [14] :7)

"اگر تم میرا (یعنی اللہ کا) شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ نعمتیں دوں گا اور اگر تم نے ناشکری

کی تو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے"۔

شکر کی وجہ سے انسان کی شخصیت کی تعمیر صحیح رخ پر ہوتی ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

مَنۡ لَّا یَشۡکُرُ النَّاسَ لَا یَشۡکُرُ اللّٰہَ (۱)

"وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا جو لوگوں کا (اُن کے احسانات پر) شکر گزار نہیں ہوتا"۔

کفر:

کفر کا لغوی مفہوم ہے چھپانا یا انکار کرنا۔ قرآنِ حکیم میں یہ لفظ تین معانی میں استعمال ہوا ہے:

i. **کفر بمقابلہ شکر:** کفرانِ نعمت کی وجہ ہوتی ہے تکبر۔ کسی کے احسان کا اعتراف کر کے اُس کا شکریہ ادا کرنا انسان کی انا پر ناگوار ہوتا ہے۔

ii. **کفر بمقابلہ اِسلام:** اِسلام کی حقانیت واضح ہونے کے باجود کفر پر اڑے رہنے کی وجہ تعصب ہے۔ ایسا کفر "قانونی کفر" کہلاتا ہے۔

iii. **کفر بمقابلہ ایمان:** ایمان کے مقابلہ میں کفر کی اصطلاح منافقین کے لیے آتی ہے اور اِس کی وجہ ہے دنیا کی محبت۔ ایسا کفر "حقیقی کفر" کہلاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ؕ بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ بِاَنَّ لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمَا ۙ (النساء[4]: 137—138)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر اُنہوں نے کفر کیا پھر ایمان لائے پھر اُنہوں نے کفر کیا پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ اُن کو معاف نہ فرمائے گا اور نہ اُنہیں (سیدھے) راستے کی ہدایت دے گا۔ (اے نبی ﷺ) منافقین کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجئے"۔

غنی:

غنی وہ ہستی ہے خود مکتفی (Self-Sufficient) ہو یعنی جو کسی اعتبار سے بھی کسی اور کی محتاج نہ ہو۔ اِس صفت کا حقیقی اطلاق صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ پر ہوتا ہے۔

---

(۱) سنن ترمذی، کتاب الۡبِرِّ وَالصِّلَۃِ عَنۡ رَسُولِ اللّٰہِ، باب مَا جَاءَ فِی الشُّکۡرِ لِمَنۡ أَحۡسَنَ إِلَیۡكَ عن ابی ہریرۃ

حمید :

حمید وہ ہستی ہے جس کی تعریف از خود ہو رہی ہو۔ اللہ حمید ہے یعنی اُس کا درجۂ کمال بذاتِ خود نمایاں ہے اور اُس کا حسن و جمال از خود ظاہر ہے، جیسے سورج کے لیے کہا جاتا ہے "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"۔

- اِس آیت میں اللہ نے حضرت لقمان کا تعارف ایک حکیم و دانا انسان کی حیثیت سے کرایا جو اپنے رب کے شکر گزار بندے تھے۔ اللہ نے اُن کی شکر گزاری کا دنیا میں یہ انعام دیا کہ اُن کی نصیحت کو قرآنِ پاک میں نقل فرما کر ایک اعزاز بخشا اور اِسے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا۔

آیت 13: (حضرت لقمان کی نصیحت یا وصیت کا آغاز)

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ ... اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا ... وَهُوَ يَعِظُهٗ ... اور وہ اُسے نصیحت کر رہے تھے ... يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ... اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو ... اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ○ بے شک شرک بہت بڑی نا انصافی ہے۔

- اِس آیت سے حضرت لقمان کا اپنے بیٹے کے لیے وعظ شروع ہو رہا ہے۔ وعظ کہتے ہیں ایسی نصیحت کو جو دل پر اثر کرے۔ یہاں یہ لفظ مزید اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ مخاطب بیٹا ہے جو ہر انسان کو سب سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ پھر اِس لفظ میں انتہائی زور پیدا ہو جائے گا اگر یہ نصیحت حضرت لقمان نے اپنی وفات کے وقت بیٹے کو وصیت کے طور پر کی ہے۔
- ظلم سے مراد ہے وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ (کسی چیز کو اُس کے اصل مقام سے ہٹا کر درجہ دینا)۔ سب سے بڑا ظلم ہے اللہ کے ساتھ شرک کرنا یعنی کسی کو اُٹھا کر اللہ کے برابر کر دینا یا اللہ کو اُس کے مقام سے نیچے لا کر کسی اور کے برابر کر دینا۔
- شرک صرف اللہ کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے ساتھ بھی ظلم ہے کہ انسان اپنی طرح کی مخلوقات کو خدائی کا درجہ دے کر اُن کے سامنے ذلت کے ساتھ اِظہارِ بے بسی و عاجزی کرتا ہے:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے　　　　ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

- حضرت لقمان کی اوّلین اور اہم ترین نصیحت ہے "اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو"۔اِس اہم ترین نصیحت پر تفصیلی بیان کی ضرورت ہے لہٰذا "حقیقت و اقسامِ شرک" کے عنوان سے اِس نصیحت پر علیحدہ سے بحث کی جائے گی۔
- اِس آیت میں مشرک والدین کے لیے ملامت ہے کہ جس ہستی کو تم حکیم و دانا انسان مانتے ہو وہ تو اپنے جگر گوشے کو شرک جیسے ظلم سے بچنے کی تلقین کر رہا ہے اور تم اپنی اولادوں کو شرک پر مجبور کر رہے ہو۔

آیات14-15:(درمیان میں اللہ کی وصیت)

وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ ... اور ہم نے انسان کو وصیت کی اُس کے والدین کے بارے میں ... حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ ... اٹھایا اُس کو اُس کی ماں نے ... وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ ... تکلیف پر تکلیف جھیل کر ... وَّفِصٰلُهٗ فِىۡ عَامَيۡنِ ... اور اُس کا دودھ چھڑانا ہے دو سالوں میں ... اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ ... کہ کر شکر میرا ... وَ لِوَالِدَيۡكَ ... اور اپنے والدین کا ... اِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ۝ میرے پاس ہی لوٹنا ہے ... وَاِنۡ جَاهَدٰكَ ... اور اگر وہ دونوں تجھ سے جہاد کریں ... عَلٰۤى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ ... کہ تو شرک کرے میرے ساتھ ... مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ... جس کے لیے تیرے پاس کوئی علم نہیں ... فَلَا تُطِعۡهُمَا ... تو اُن کا کہنا نہ مان ... وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا ... اور دنیا میں اُن کا ساتھ دے بھلے طریقے سے ... وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ ... اور پیروی کر اُس کے راستے کی جس نے رُخ کیا میری طرف ... ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ ... پھر میرے پاس ہی تم سب کو لوٹنا ہے ... فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۝ تو میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم کرتے رہے۔

- اِن آیات میں اللہ نے حضرت لقمان کی نصیحت کے درمیان بذاتِ خود والدین کے حقوق بیان فرمائے ہیں۔یہ مناسب نہ تھا کہ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو اپنے حقوق سے خود آگاہ فرماتے۔
- یہ آیات ادائیگیٔ حقوق کے ضمن میں ایک فطری ترتیب بیان کرتی ہیں اور حقوق کے درمیان تصادم کی صورت میں معتدل رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔اِس اجمال کی وضاحت یہ ہے کہ:
  i. بندوں پر فائق ترین حق اللہ کا ہے لہٰذا اوّل شکر اُسی کا ہے اور پھر والدین کا۔

ii. مخلوق میں فائق ترین حق والدین کا ہے۔ قرآنِ حکیم میں اِس مقام کے علاوہ مزید چار مقامات پر اللہ کے بعد والدین کے حقوق کا ذکر ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (البقرۃ[2]:83)

"اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین سے حسنِ سلوک کرنا"۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (النساء[4]:36)

"اور (دیکھو) اللہ کی بندگی کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اور والدین سے حسنِ سلوک کرو"۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (الانعام[6]:151)

"کہہ دیجیے (اے نبی ﷺ) آؤ میں تمہیں بتاوں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں، یہ کہ تم اُس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اور والدین سے حسنِ سلوک کرو"۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل[17]:23)

"اور تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو"۔

iii. اللہ اور والدین کے حقوق میں تصادم کی صورت میں والدین کا حقِ اطاعت ساقط ہو جائے گا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (۱)

"مخلوقات میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں اگر اِس سے خالق کی نافرمانی ہو"۔

- والدین کے حقوق کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کے ارشادات ہیں:

لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدًا إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ (۲)

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، باب4، رقم14795عن عمران بن حصین و سنن الترمذی، کتاب الجهاد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق

(۲) صحیح مسلم، کتاب العتق، باب فضل عتق الوالد، عن ابی هریرةؓ

"کوئی بیٹا اپنے والد کا حق ادا نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اُسے حالتِ غلامی میں پائے اور پھر آزاد کرا دے"۔

رَغِمَ أَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ قِيلَ مَنْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ (۱)

"وہ آدمی ذلیل ہو، وہ خوار ہو"۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ بدنصیب جو ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (اُن کی خدمت کرکے) جنت حاصل نہ کرلے"۔

رِضَى الرَّبِّ فِيْ رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ (۲)

"اللہ کی رضا، والد کی رضا میں اور اللہ کی ناراضی، والد کی ناراضی میں ہے"۔

قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ قَالَ الصَّلَاةُ عَلٰى مِيقَاتِهَا قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ (۳)

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نماز کو وقت پر ادا کرنا"۔ پوچھا اِس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ "والدین کے حقوق ادا کرنا"۔ پوچھا اِس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کی راہ میں جنگ کرنا"۔

- والدین کے ساتھ حسنِ سلوک یہ ہے کہ:
  - اُن کا دل سے ادب و احترام کیا جائے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب رَغِمَ أَنْفُ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا عِنْدَ الْكِبَرِ فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ عن ابی ہریرۃؓ

(۲) سنن الترمذی، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللهِ، باب مَا جَاءَ مِنَ الْفَضْلِ فِي رِضَا الْوَالِدَيْنِ

(۳) صحیح البخاری، کتاب الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، باب فَضْلِ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، و صحیح مسلم، کتاب الْإِيمَانِ، باب بَيَانِ كَوْنِ الْإِيمَانِ بِاللهِ تَعَالَى أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ عن عبد اللہ بن مسعودؓ

- مال و جان سے اُن کی خدمت کی جائے۔
- شریعت کے دائرے میں اُن کی اطاعت کی پوری کوشش کی جائے۔
- اُن کی وفات پر نمازِ جنازہ پڑھائی جائے۔
- اُن کی وصیت اور عہد کو ممکن حد تک پورا کیا جائے۔
- اُن کے لیے دعا و استغفار کی جائے۔
- اُن کے اقارب اور دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔
- نیک اور پاکیزہ زندگی گزاری جائے تاکہ والدین کے لیے صدقۂ جاریہ بنا جاسکے۔

• آیت 14 میں سے بھی والدہ کے حق پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔اِس حوالے سے ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أَبُوْكَ (۱)

"ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ مجھ پر خدمت اور حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں۔ اُس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں۔ اُس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں۔ اُس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا باپ"۔

اخلاقی لحاظ سے فائق حق والدہ کا ہے لیکن قانونی لحاظ سے والد کا۔ یعنی خدمت میں اوّلین حق والدہ کا لیکن اطاعت میں اولین حق والد کا ہوگا۔

• وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا (اور دنیا میں اُن کا ساتھ دے بھلے طریقے سے) کے الفاظ رہنمائی کر رہے ہیں کہ والدین کا حقِ اطاعت ساقط ہونے کے باوجود اُن کا حقِ خدمت برقرار

(۱) صحیح البخاری، کتاب الْأَدَبِ، باب مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ، و صحیح مسلم، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب بِرِّ الْوَالِدَیْنِ وَأَنَّهُمَا أَحَقُّ بِهِ عن ابی ھریرۃ

رہے گا۔

- اِتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ (اور پیروی کر اُس کے راستے کی جس نے رُخ کیا میری طرف) کا مفہوم ہے کہ انسان کو پیروی کسی ایسی ہستی کی کرنی چاہیئے جس کا رُخ اللہ کی طرف ہو۔ اِن الفاظ میں کسی دینی اجتماعیت کے ساتھ منسلک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔
- اِلَیَّ الْمَصِيْرُ (میری طرف ہی لوٹنا ہے) اور اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (پھر میرے پاس ہی تم سب کو لوٹنا ہے تو میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے) سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف حقوق کے درمیان تصادم کی صورت میں صحیح روش اختیار کرنے کے لیے جذبۂ محرکہ ہے آخرت میں جوابدہی کا احساس۔ آخرت میں اولاد اور والدین دونوں اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے اور پھر حق و باطل کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔
- آیت 15 میں ضمنی طور پر دو اہم باتیں بیان ہوئی ہیں:

i. وَاِنْ جَاهَدَاكَ (اور اگر مشرک ماں باپ تجھ سے جہاد کریں) کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ مشرکین بھی جہاد کرتے ہیں۔ گویا جہاد منفی و مثبت دونوں کاموں کے لیے ہوتا ہے۔ اعلیٰ ترین جہاد ہے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرنا جسے "جہاد فی سبیل اللہ" کہا جاتا ہے۔

ii. مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں) کے الفاظ اِس حقیقت پر دلیل ہیں کہ شرک کے لیے نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی یعنی کسی الہامی کتاب سے بھی شرک کو جائز ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

آیت 16: (حضرت لقمان کی نصیحت کا دوسرا نکتہ)

يٰبُنَيَّ ... اے میرے بیٹے!... اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ ... اگر ہو کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ... فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ ... پھر وہ کیا جائے کسی چٹان میں ... اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ ... یا آسمانوں میں ... اَوْ فِي الْاَرْضِ... یا زمین میں ... يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ... اللہ اُسے لے آئے گا... اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ○ یقیناً اللہ باریک بین اور باخبر ہے۔

- حضرت لقمان کی نصیحت کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اعمالِ انسانی محفوظ ہیں اور یہ نتیجہ خیز ہوں گے۔ ایک سلیم الفطرت انسان غور و فکر کے ذریعہ اِس نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ کائنات میں ہر شے با مقصد ہے۔ اِسی طرح ہمارے باطن میں جو نیکی و بدی کا شعور ہے، وہ بھی بلا مقصد نہیں ہے۔ نیک عمل پر ہمیں باطنی مسرت ہوتی ہے اور برے عمل پر ہم ایک خلش محسوس کرتے ہیں۔ نیکی اور بدی کے حوالے سے مختلف احساسات مکافاتِ عمل کی دلیل ہیں کیوں کہ اِس دنیا میں نتائج اِس کے بر عکس نظر آتے ہیں۔ دنیا میں نیکی کی جزا اور بدی کی سزا حقیقی مناسبت سے نہ ملتی ہے اور نہ مل سکتی ہے۔ نیکی و بدی کے حوالے سے ہماری متضاد باطنی کیفیات کے با مقصد ہونے کا تقاضا ہے کہ ایک دن ایسا ہو جس میں نیکو کاروں کو اُن کی نیکیوں کے تناسب سے بھرپور انعام اور ظالموں کو اُن کی برائیوں کی مناسبت سے بھرپور سزا ملے۔ اِسی لیے شاعر نے کہا ہے کہ :

از مکافاتِ عمل غافل مشو　　　گندم از گندم بروید جو ز جو

- حضرت لقمان نے آخرت کے بارے میں وہ تفاصیل بیان نہیں کیں جن کا علم ایک نبی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اِس سے محسوس ہوتا ہے کہ شائد اُن تک کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔

آیت 17: (حضرت لقمان کی نصیحت کا تیسرا چوتھا اور پانچواں نکتہ)

يٰبُنَيَّ ... اے میرے بیٹے!... اَقِمِ الصَّلٰوةَ... قائم کر نماز ... وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ ... اور حکم دے نیکی کا ... وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ... اور روک برائی سے ... وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ... اور صبر کر اُس پر جو تجھ پر بیتے ... اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ○ بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

- حضرت لقمان کی نصیحت کا تیسرا نکتہ ہے قیامِ صلٰوۃ یعنی اللہ سے مسلسل لو لگائے رکھنا۔ اصطلاحی طور پر لفظ صلٰوۃ، عبادت کی اُس معین صورت اور طریقۂ کار کے لیے آتا ہے جو انبیاء کرام سکھاتے ہیں اور جس کو اردو میں نماز کہا جاتا ہے۔ اگر حضرت لقمان کسی نبی کے پیروکار تھے تو یہاں لفظ صلٰوۃ اپنے اصطلاحی معنی میں ہے۔ البتہ اگر حضرت لقمان تک کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی تو یہاں لفظِ صلٰوۃ لغوی معنی میں ہے۔ صلٰوۃ کے لغوی معنی ہیں دعا یا اللہ سے لو لگانے کا وظیفہ۔ قرآنِ حکیم میں لفظ صلٰوۃ لغوی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ (التوبة[9] :99)

"اوراِن بدویوں میں کچھ لوگ (ایسے بھی) ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ (راہِ حق میں) خرچ کرتے ہیں اُسے اللہ کے ہاں تقرب اور رسول ﷺ کی دُعاؤں کا وسیلہ بناتے ہیں"۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبة[9] :103)

"(اے نبی ﷺ) اِن لوگوں کے مال سے صدقات قبول کیجئے۔ (اِس طرح) اُنہیں پاک کیجئے (گناہوں سے) اور صاف کیجئے (اُن کا دل دنیا کی محبت سے)۔ نیز اُن کے لیے دُعائے خیر کیجئے۔ بلاشبہ آپ ﷺ کی دُعا اُن کے لیے باعثِ تسکین ہے"۔

صحیح مسلم کی ایک حدیثِ قدسی میں صلوٰۃ کا لفظ سورۃ فاتحہ کے لیے آیا ہے جو کہ ایک جامع دعا ہے۔ صلوٰۃ کا عمل دورِ جاہلیت میں مشرکین کے ہاں بھی تھا:

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً (الانفال[8] : 35)

"اور نہیں ہوتی اُن کی نماز اللہ کے گھر کے پاس مگر سیٹیاں اور تالیاں بجانا"۔

سورۃ النور 24 آیت 41 میں جملہ مخلوقات خصوصًا پرندوں کے وظیفہ کے لیے صلوٰۃ ہی کا لفظ آیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ (النور[24] :41)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کرتی ہیں وہ تمام مخلوقات جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی اور سب اپنے وظیفہ اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں"۔

- حضرت لقمان کی نصیحت کا چوتھا نکتہ ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اہتمام کرنا۔ معروف سے مراد ہے ایسا کام جس کی پہچان فطرت میں ودیعت شدہ ہے۔ منکر کہتے ہیں ایسے کام کو جس کا فطرت انکار کرتی ہے۔ گویا فطرتِ انسانی اندھی اور بہری نہیں بلکہ نیکی اور بدی کی الہامی تمیز

سے مزین ہے:

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَ الْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَ كَرِهْتَ اَن يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ(۱)

"نیکی حسنِ اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے جی میں گھٹن پیدا کرے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اِسے جان لیں"۔

- ایک بہت بڑا مغالطہ ہے کہ تبلیغ کے معاملے میں صرف امر بالمعروف کافی ہے حالانکہ قرآنِ حکیم میں اِس مقام کے علاوہ نو مقامات پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے:

i. سورۂ نحل آیت 90 میں شانِ باری تعالیٰ بیان ہوئی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ

"اللہ عدل، حسنِ سلوک اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی (کے کاموں)، بری باتوں اور ظلم وزیادتی سے منع فرماتا ہے"۔

ii. سورۂ اعراف آیت 157 میں نبی اکرم ﷺ کی شان بیان کی گئی:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ

"جو ہمارے رسول ﷺ یعنی نبی امّی ﷺ کی پیروی کریں گے جن (کے ذکر) کو وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے۔ وہ اُنہیں نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے"۔

iii. سورۃ التوبۃ[9] آیت 71 میں صحابہ کرام کی شان بیان ہوئی:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں"۔

iv. سورۃ آلِ عمران[3] آیات 113-114 میں صالحین اہلِ کتاب کے اوصاف بیان کیے گئے:

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ○ يُؤْمِنُوْنَ

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب تَفْسِيرِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ عن نوّاس بن سمعانؓ

بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

"اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو (راہِ راست پر) قائم ہیں، راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اُس کے حضور سر بسجود ہوتے ہیں، اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں"۔

v. سورۃ التوبۃ[9] آیت 67 میں منافقین کا طرزِ عمل بیان کیا گیا:

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُھُمْ مِّنْم بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْکَرِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ

"منافق مرد اور منافق عورتیں (سب) ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں"۔

vi. سورۃ آل عمران[3] آیت 110 میں اُمتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی بیان کیا گیا:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ

"(مسلمانو) تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

vii. سورۃ آل عمران[3] آیت 104 میں اُمتِ مسلمہ کے لیے فلاح کا یقینی ذریعہ بتایا گیا:

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

"چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہ ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں"۔

viii. سورۃ الحج[22] آیت 41 میں اصحابِ اقتدار کے فرائض بیان کیے گئے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ

"(یہ مسلمان ایسے ہیں کہ) اگر ہم اُنہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، (لوگوں کو) نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے"۔

ix. سورۃ التوبۃ[9] آیت 112 میں سرفروش اہل ایمان کے اوصافِ حمیدہ بیان کیے گئے:

اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰکِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۲﴾

"وہ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، دنیوی لذتوں کو ترک کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

احادیثِ مبارکہ میں نہی عن المنکر کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے:

مَنۡ رَاٰی مِنۡكُمۡ مُنۡكَرًا فَلۡيُغَيِّرۡهُ بِيَدِه فَاِنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَبِلِسَانِه فَاِنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَبِقَلۡبِه وَ ذٰلِكَ اَضۡعَفُ الۡاِ يۡمانِ (۱)

"تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے پس اُسے چاہیئے کہ اِسے اپنے ہاتھ سے روک دے، پھر اگر وہ اِس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے روک دے، پھر اگر وہ اِس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل میں اِسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے"۔

- حضرت لقمان کی نصیحت کا پانچواں نکتہ ہے صبر کرنا اُن تکالیف پر جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نتیجہ میں لازماً پیش آکر رہتی ہیں۔ باوجود مخالفت کے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ استقامت سے جاری رکھنا بڑا مشکل کام ہے، اِسی لیے حضرت لقمان نے کہا اِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ (بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے!)

آیت 18: (حضرت لقمان کی نصیحت کا چھٹا نکتہ)

وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّكَ لِلنَّاسِ ... اور نہ پُھلا اپنے گال لوگوں کے سامنے ... وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ... اور نہ زمین میں چل اتراتا ہوا ... اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ ۚ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا خود کو کچھ سمجھنے والے اور بڑائی کرنے والے کو۔

حضرت لقمان کی نصیحت کا چھٹا نکتہ ہے تکبر اور بڑائی سے بچنا۔ تکبر کی علامت یہ ہے کہ انسان

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بَيَانِ كَوۡنِ النَّهۡيِ عَنِ الۡمُنۡكَرِ مِنَ الۡإِيمَانِ ...عن ابی سعیدؓ

دوسروں کو حقیر سمجھے اور اُن سے سیدھے منہ بات نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ تکبر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ (۱)

"تکبر ہے حق کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا"۔

اِس آیت میں فرمایا گیا کہ زمین پر اتراتے ہوئے مت چلو۔ انسان کی چال تکبر کے اظہار کی ایک علامت ہوتی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہ مضمون اِس طرح آیا ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○ (بنی اسرائیل 17: 37)

"اور زمین پر اکڑ کر مت چلو بے شک تم زمین کو پھاڑ نہیں سکتے اور نہ پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ سکتے ہو"۔

شیطان ہمارا کھلا دشمن ہے۔ اوّل تو وہ ہمیں نیکی سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر ہم کوئی نیکی کر ہی لیں تو اِس پر گھمنڈ پیدا کر کے اِسے ضائع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ (۲)

"وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبّر ہوگا"۔

آیت 19: (حضرت لقمان کی نصیحت کا ساتواں اور آٹھواں نکتہ)

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ ... اور میانہ روی اختیار کر اپنی چال میں ... وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ... اور پست رکھ اپنی آواز کو ... اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ ... بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز ... لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ○ یقیناً گدھے کی آواز ہے۔

- حضرت لقمان کی نصیحت کا ساتواں نکتہ ہے میانہ روی اختیار کرنا ظاہری چال میں اور پوری زندگی کی روش میں۔ ظاہری اعتبار سے جس طرح اکڑ کر چلنا درست نہیں اِس طرح اپنے زہد اور تقویٰ کے اظہار کے لیے مریضوں کی طرح جھک کر چلنا بھی منع ہے۔ اِسی طرح زندگی کے جملہ فکری و عملی معاملات میں بھی انتہا پسندی سے بچنا چاہیئے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الْإِيمَانِ، باب تَحْرِيمِ الْكِبْرِ وَبَيَانِهِ ... عن عبد الله بن مسعود

(۲) صحیح مسلم، کتاب الْإِيمَانِ، باب تَحْرِيمِ الْكِبْرِ وَبَيَانِهِ ... عن عبد الله بن مسعود

- حضرت لقمان کی نصیحت کا آٹھواں نکتہ ہے بحث کے دوران آواز پست رکھنا اور دلیل کے مقابلہ میں بلند آواز کے ذریعہ غالب آنے کی کوشش نہ کرنا۔ البتہ ضرورت کے تحت آواز بلند کرنا منع نہیں ہے مثلاً خطابت یا تدریس کے دوران، اذان کہتے ہوئے یا کسی کو متوجہ کرنے کے لیے اونچی آواز اختیار کی جاسکتی ہے۔

قرآن پڑھا کرو

اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِّصَاحِبِهٖ

"قرآن پڑھا کرو، وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کے لیے سفارشی بن کر آئے گا"۔

(صحیح مسلم، کتاب صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، باب فَضْلِ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَسُورَةِ الْبَقَرَة)

منتخب نصاب حصّہ اوّل

درسِ چہارم: حقیقت و اقسامِ شرک

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ○

ترجمہ:

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ ... اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا ... وَھُوَ یَعِظُہٗ ... اور وہ اُسے نصیحت کر رہے تھے ... یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ ... اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو ... اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ○ بے شک شرک کرنا بہت بڑی ناانصافی ہے۔ (لقمان:13)

موضوع کو سمجھنے کی اہمیت:

1. سورۃ لقمان[31] کی آیت 13 میں شرک کو سب سے بڑا ظلم قرار دیا گیا۔ قرآنِ حکیم میں ہر جگہ ظلم سے مراد شرک ہے بشرطیکہ سیاق وسباق کوئی اور مفہوم متعین نہ کریں۔ سورۃ الانعام[6] کی آیات 81 اور 82 میں حضرت ابراہیمؑ کی مشرکین سے حسبِ ذیل گفتگو بیان کی گئی ہے:

وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

"اور میں اُن چیزوں سے کیوں ڈرنے لگا جن کو تم نے (اللہ کا) شریک ٹھہرا رکھا ہے جب کہ تم اِس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن (کے معبود ہونے) کی کوئی سند اُس نے تم پر نازل نہیں کی۔ پھر دونوں فریقوں میں سے کون سا (فریق) امن (واطمینان سے رہنے) کا زیادہ حقدار ہے؟ (بتاؤ) اگر تم علم رکھتے ہو۔ (حقیقت

میں تو) امن (واطمینان) اُنہی لوگوں کے لیے ہے اور وہی راہِ راست پر ہیں جو (اللہ پر) ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان میں ظلم کی آمیزش نہیں کی"۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اِس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے۔(۱)

2. شرک کے گناہ کے لیے معافی نہیں اِلّا یہ کہ توبہ کرلی جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء[4] : 48، 116)

"اللہ یہ کبھی معاف نہیں کرے گا کہ اُس کے ساتھ (کسی کو) شریک کیا جائے۔ اِس کے سوا جس گناہ کو چاہے گا معاف کردے گا"۔

3. شرک کرنے والے کے لیے جنت حرام کردی گئی ہے:

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ (المائدۃ[5] : 72)

"بے شک جس کسی نے اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہرایا تو اللہ نے اُس پر جنت حرام کردی اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے"۔

4. شرک کا اِرتکاب اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت کرتی ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ (یوسف[12] : 106)

"اُن میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر یہ کہ وہ شرک بھی کیے جاتے ہیں"۔

5. شرک ایک ایسا ہمہ گیر جرم ہے جو ہر دور میں ایک نئی صورت اختیار کرلیتا ہے۔

6. قرآنِ کریم نے چھ بار حضرت ابراہیم کو سب سے بڑا اعزاز وسند دی کہ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے)۔ گویا شرک سے بچنا اِس قدر مشکل ہے کہ جس نے ایسا کرلیا اُس کے لیے کئی بار تحسین کے کلمات بیان ہوئے۔

حقیقتِ شرک:

مخلوقات میں سے کسی کو کسی بھی اعتبار سے اللہ کے برابر کردینا شرک ہے۔ اِس کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی کمزوری وابستہ کرکے، اُسے اُس کے مقامِ رفیع سے اُتار کر مخلوقات کے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ، باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا

برابر کر دیا جاتا ہے۔ دوسری صورت میں مخلوقات میں سے کسی کے مقام و مرتبہ کو اتنا بڑھا دیا جاتا ہے کہ اُسے اٹھا کر اللہ کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ مشرک وہ نہیں ہے جو اللہ کو نہ مانے بلکہ مشرک وہ ہے جو اللہ کو مانے لیکن اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا دے۔

اِقسامِ شرک:

- **تقسیمِ اوّل: شرکِ جلی اور شرکِ خفی**

شرکِ جلی سے مراد ہے واضح شرک جیسے اللہ کے سوا کسی اور کو پکارنا۔ شرکِ خفی سے مراد ہے پوشیدہ شرک جیسے کوئی عمل اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ دکھاوے کے لیے کرنا۔

- **تقسیم دوم: شرکِ نظری اور شرکِ عملی**

شرکِ نظری سے مراد ہے عقیدہ کا شرک جیسے اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز سمجھنا۔ شرکِ عملی سے مراد ہے عمل کا شرک جیسے کسی بادشاہ کے سامنے سجدۂ تعظیمی کرنا۔

- **تقسیم سوم: شرک فی المعرفہ اور شرک فی الطلب**

شرک فی المعرفہ سے مراد ہے اللہ کی پہچان میں شرک جیسے اللہ کو بھی دنیوی بادشاہوں پر قیاس کرنا۔ شرک فی الطلب سے مراد ہے اللہ کے سوا کسی اور شے کو مطلوب و مقصود بنا لینا جیسے دولت کے حصول کے لیے اللہ کے احکامات کی پرواہ نہ کرنا۔

- **تقسیم چہارم: شرک فی الذات، شرک فی الصفات اور شرک فی الحقوق**

اِس تقسیم کو ہم ذرا تفصیل سے سمجھیں گے۔

1. شرک فی الذات (جلی اور بدترین نیز اعتقادی / شعوری شرک)

مخلوقات میں سے کسی کو اللہ مان لینا یا اللہ کا ہم جنس قرار دے دینا شرک فی الذات ہے۔ اِس شرک کا ارتکاب اُن لوگوں نے بھی کیا جو اپنی نسبت کسی نبی یا الہامی کتاب سے قائم کرتے ہیں اور اُن لوگوں نے بھی جن کے مذہب کی بنیاد کسی فلسفہ پر ہے۔

انبیاء یا الہامی کتب پر ایمان رکھنے والوں کا شرک

i. یہودیوں اور عیسائیوں نے انبیاء کرام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبۃ[9]: 30)

"اور یہودی کہتے ہیں کہ حضرت عزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ اللہ کے بیٹے ہیں"۔

قرآنِ حکیم میں اِس شرک کی نفی بار بار اور بعض مقامات پر بڑی شدت کے ساتھ کی گئی:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا (بنی اسرائیل[17]: 111)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے ساری تعریف اللہ ہی کے لیے جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا"۔

الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝۴ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝۵ (الکھف[18]: 4-5)

"جو کہتے ہیں اللہ (بھی) اولاد رکھتا ہے، اِس (دعوے) پر کوئی دلیل نہ تو اُن کے پاس ہے نہ اُن کے باپ دادوں کے پاس (تھی)۔ بڑی (ہی سخت) بات ہے جو اُن کے منہ سے نکلتی ہے۔ وہ محض جھوٹ بولتے ہیں"۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (سورۃ الاخلاص)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے وہ اللہ یکتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے"۔

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ (الانعام[6]: 101)

"اُس کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے جب کہ اُس کی بیوی ہی نہیں"۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ

اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ○ (مریم[19] : 88-92)

"اور وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے ایک بیٹا بنار کھا ہے۔ بڑی ہی سخت بات تم لوگ (گھڑ کر) لائے ہو! قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں (اِس بات سے) کہ لوگوں نے رحمان کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا! رحمان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ (کسی کو) بیٹا بنائے"۔

ii. **مشرکینِ مکہ نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا:**

وَیَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰهِ الۡبَنٰتِ سُبۡحٰنَهٗ وَلَهُمۡ مَّا یَشۡتَهُوۡنَ○ (النحل[16] : 57)

"اور یہ (مشرکین) اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں، سبحان اللہ، (اللہ کے لیے بیٹیاں!) اور خود اِن کے لیے وہ (بیٹے) جس کے یہ بڑے خواہش مند ہیں"۔

قرآنِ حکیم میں اِس شرک کی نفی بھی بار بار کی گئی:

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰی○ تِلۡکَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِیۡزٰی○ (النجم[53] :21-22)

"کیا تمہارے لیے ہوں بیٹے اور اللہ کے لیے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی ہی بے ڈھنگی تقسیم ہے"۔

اَفَاَصۡفٰکُمۡ رَبُّکُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ اِنَاثًا اِنَّکُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِیۡمًا○

(بنی اسرائیل[17] : 40)

"کیا تمہارے رب نے تمہیں مخصوص کر لیا بیٹوں کے لیے اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا؟ بڑی ہی سخت بات تم لوگ کہہ رہے ہو"۔

فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَلِرَبِّکَ الۡبَنَاتُ وَلَهُمُ الۡبَنُوۡنَ○ اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِکَةَ اِنَاثًا وَّهُمۡ شٰهِدُوۡنَ○ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ مِّنۡ اِفۡکِهِمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ○ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ○ اَصۡطَفَی الۡبَنَاتِ عَلَی الۡبَنِیۡنَ○ مَا لَکُمۡ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ○ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ○ اَمۡ لَکُمۡ سُلۡطٰنٌ مُّبِیۡنٌ○ فَاۡتُوۡا بِکِتٰبِکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ○ (الصّٰٓفّٰت[37] : 149-157)

"تو (اے نبی ﷺ) اِن سے پوچھئے کہ تمہارے رب کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور اِن کے لیے بیٹے؟ کیا ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تھا اور یہ دیکھ رہے تھے؟ خوب سُن لو، وہ یہ

بات جھوٹ بنا کر کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے اور وہ یقینا جھوٹے ہیں۔ کیا (اللہ نے) بیٹوں پر بیٹیوں کو ترجیح دی؟ تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیسے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تم سوچتے نہیں ہو؟ یا تمہارے پاس کوئی کھلی سند ہے تو لے آؤ اپنی کتاب (بطورِ سند) اگر تم سچے ہو"۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ○ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ○ (الزخرف[43]: 16-17)

"کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے (اپنے لیے تو) بیٹیاں (پسند کر) لیں اور تم لوگوں کو بیٹوں سے نوازا؟ اور جب اِن لوگوں میں سے کسی کو اُس چیز (یعنی بیٹی) کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کی تہمت وہ رحمان پر رکھتا ہے تو (مارے غم کے) اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے"۔

اُمتِ محمدیہ ﷺ کی اِس شرک سے حفاظت:

الحمد للہ! امت محمدیہ ﷺ شرک فی الذات سے محفوظ رہی اور اِس کے کسی بھی قابلِ ذکر مکتبہ ٔفکر نے اِس شرک کا ارتکاب نہیں کیا، حالانکہ اِس امت کی اپنے نبی ﷺ سے محبت ہمیشہ مثالی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کی اِس شرک سے خصوصی حفاظت فرمائی، ورنہ ختمِ نبوت کے بعد کون آکر امت کی اصلاح کرتا؟ اِس خصوصی حفاظت کے مظاہر یہ ہیں :

- قرآنِ حکیم میں باربار انبیاء کرام خصوصًا نبی اکرم ﷺ کی بشریت کو نمایاں کیا گیا:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (ابراھیم[14]: 11)

"اُن کے رسولوں نے اُن سے کہا کہ بے شک ہم تمہاری ہی طرح کے آدمی ہیں"۔

قُلْ سُبْحٰنَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا○ (بنی اسرائیل[17]: 93)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے پاک ہے میرا رب، میں نہیں ہوں مگر ایک آدمی اور رسول"۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکھف[18]: 110)

"(اے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کہہ دیجئے کہ میں تو بس ایک انسان ہوں جیسے تم البتہ (فرق یہ ہے کہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود (وہی) ایک معبود ہے"۔

- قرآنِ کریم میں چند مقامات پر نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اندازِ کلام بظاہر سخت ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ (عبس 80: 1-10)

"اُنہوں نے تیوری چڑھائی اور رُخ پھیر لیا (اِس لیے) کہ ایک نابینا اُن کے پاس آیا اور (اے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) آپؐ کو کیا معلوم شاید (آپؐ کی توجہ سے) وہ سنورتا یا وہ (آپؐ) سے نصیحت حاصل کرتا اور نصیحت اُسے فائدہ پہنچاتی۔ بھلا جو شخص بے پروائی برتتا ہے اُس کی طرف آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خوب توجہ کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ نہ سنورے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر کچھ (الزام) نہیں۔ اور جو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس دوڑ کر آتا ہے اور وہ (اللہ سے) ڈرتا بھی ہے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اُس سے بے اعتنائی برتتے ہیں"۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل 17: 73-75)

"اور (اے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) اِن لوگوں نے تو اِس میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دور کر دیں اُس (کلام کی تبلیغ) سے جو ہم نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف وحی کیا ہے تاکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اِس کی جگہ دوسری باتیں ہماری طرف منسوب کر دیں اور اِس صورت میں وہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو ضرور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اُن کی طرف مائل ہو جاتے۔ پھر ہم آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو زندگی اور موت کا دُگنا عذاب چکھاتے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار نہ پاتے"۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۝

(القصص[28]: 56)

"(اے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے"۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ۝۳۵ (الانعام[6]: 35)

"اور اگر اُن کی رُوگردانی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر گراں گزرتی ہے تو اگر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بس میں ہے تو زمین کے اندر (کوئی) سرنگ تلاش کرلیں یا آسمان میں سیڑھی (لگا کر) کوئی (فرمائشی) معجزہ اُن کے لیے لے آئیں (مگر پھر بھی یہ انکار ہی کریں گے) اور اگر اللہ چاہتا تو اُن سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا لہٰذا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جذباتی نہ ہوں"۔

مندرجہ بالا مقاماتِ قرآنی اِس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ:

اَلرَّبُّ رَبٌّ اِنْ تَنَزَّلَ وَالْعَبْدُ عَبْدٌ اِنْ تَرَقّٰی

"رب، رب ہی ہے خواہ کتنا قریب اتر آئے اور بندہ بندہ ہی ہے خواہ کتنے بلند درجے پر پہنچ جائے"۔

- قرآنِ کریم میں چند مقامات پر نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عاجزی کا ذکر ہوا ہے:

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۝۱۸۸ (الاعراف[7]: 188)

"(اے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کہہ دیجیے میں اختیار نہیں رکھتا اپنے لیے نفع ونقصان کا سوائے اِس کے جو اللہ چاہے۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سے فائدے حاصل کرلیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو محض خبردار کرنے والا اور بشارت دینے والا ہوں اُن لوگوں کو جو ایمان لائیں"۔

وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ‌ ؕ وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ بِخَيۡرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ‏ ﴿۱۷﴾ (الانعام 6: 17)

"(اے نبی ﷺ) اگر اللہ آپؐ کو کوئی تکلیف دے تو اُس کے سوا کوئی اُسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ آپؐ کو کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآٮِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ‌ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ‌ؕ (الانعام 6: 50)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو بس اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے"۔

قُلۡ اِنِّىۡ لَاۤ اَمۡلِكُ لَـكُمۡ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا‏ ۝ قُلۡ اِنِّىۡ لَنۡ يُّجِيۡرَنِىۡ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنۡ اَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا ۝ (الجن 72: 21-22)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے میں تمہارے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی بھلائی کا۔ کہہ دیجئے کہ اللہ (کے غضب) سے مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ اُس کے سوا میں کوئی پناہ پاتا ہوں"۔

- نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام کے ساتھ گھل مل جانا، ہر مہم میں قدم بقدم شریک ہونا اور تمام بشری مشقتیں برداشت کرنا۔

امت محمدیہ ﷺ کے کسی بھی قابلِ ذکر مکتبۂ فکر نے شرک فی الذات کا ارتکاب نہیں کیا، البتہ بعض شاعروں نے اپنے اشعار میں نبی اکرم ﷺ کو ہی خدا قرار دیا:

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفی بن کر

اور

مدینہ کی مسجد میں منبر کے اوپر
بغیر ع کا اِک عرب ہم نے دیکھا

فلسفیانہ مذاہب کے پیروکاروں کا شرک

فلسفیانہ مذاہب کے پیروکار یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی ایک ہستی ہے جو اِس کائنات کی خالق ہے لیکن کائنات کے تخلیقی عمل یا خالق اور کائنات کے تعلق کے حوالے سے شرک کر بیٹھتے ہیں۔ اُن کے شرک کی اقسام حسبِ ذیل ہیں:

i. **دوئی یا ثنویت** (Duality) یعنی خالقِ کائنات اور مادہ دونوں قدیم ہیں۔ خالق نے پہلے سے موجود مادہ سے کائنات کی مختلف اشیاء کو تخلیق کیا۔

ii. **تثلیث** (Trinity) یعنی خالق، مادہ اور روح تینوں قدیم ہیں۔ خالق نے مادہ سے مختلف مخلوقات بنائیں اور اُن میں روح ڈال کر زندہ کر دیا۔

iii. **ہمہ اوست** (Pantheism) یعنی خالق نے تحلیل ہو کر کائنات کی صورت اختیار کر لی جیسے برف تحلیل ہو کر پانی بن جاتی ہے۔ گویا کائنات میں موجود ہر شے ہی خالق یعنی خدا کا ظہور ہے ۔

iv. **حلول واتحاد** یعنی خالق، کائنات میں اِس طرح تحلیل ہو گیا جیسے چینی پانی میں حل ہو جاتی ہے۔

v. **اوتار کا عقیدہ** (God Incarnation) یعنی خالق، کائنات بنا کر کسی انسان میں حلول کر گیا اور ایسے انسان کو اوتار کہا جاتا ہے۔

2. شرک فی الصفات (خفی اور علمی نیز غیر شعوری شرک)

- اِس شرک کے لاحق ہونے کا سبب اللہ اور مخلوق کی صفات کے لیے مشترک الفاظ کے استعمال سے پیدا ہونے والا مغالطہ ہے۔ اِس مغالطہ سے بچنے کے لیے یہ بنیادی حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشورٰی[42] : 11)

"اُس (اللہ) کی تو مثال کی مانند بھی کوئی شے نہیں"۔

- اگر حسبِ ذیل تین حقائق پیشِ نظر رہیں تو اِس شرک سے حفاظت ہو سکتی ہے:

i. اللہ کی تمام صفات ذاتی ہیں جبکہ جملہ مخلوقات کی صفات عطائی ہیں۔

ii. اللہ کی تمام صفات مطلق یعنی لامحدود ہیں جبکہ جملہ مخلوقات کی صفات محدود ہیں۔

iii. اللہ کی تمام صفات قدیم ہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ کے لیے کامل ہیں جبکہ جملہ مخلوقات کی صفات حادث وفانی اور ارتقاء پذیر ہیں۔

- چھ صفات کو اللہ کی بنیادی صفات قرار دیا جاتا ہے اور عام طور پر اِن صفات کے حوالے ہی سے شرک کا امکان پیدا ہوتا ہے:

i. ارادہ	ii. علم	iii. قدرت
iv. حیات	v. کلام	vi. وجود

i. ارادہ :

اللہ بھی ارادہ فرماتا ہے اور ہم بھی ارادہ کرتے ہیں لیکن ہمارا ارادہ اللہ کے ارادے کے تابع ہوتا ہے اور اِس کی تکمیل بغیر اللہ کی منظوری کے ممکن نہیں۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝ (التکویر[81]: 29)

"اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ یعنی تمام جہانوں کا رب نہ چاہے"۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الکھف[18]: 23-24)

"اور کسی کام کے بارے میں کبھی ایسا نہ کہو کہ میں اِس کو ضرور کل کروں گا مگر (یوں کہا کرو) اگر اللہ چاہے"۔

ii. علم :

اللہ بھی علم رکھتا ہے اور ہم بھی لیکن اللہ ہر شے کے کل کا علم رکھتا ہے:

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝ (التغابن[64]: 4)

"وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور اور وہ واقف ہے اُن رازوں سے جو سینوں میں ہیں"۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (الحدید[57] : 4)

"وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اُس میں سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اُسے وہ دیکھتا ہے"۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ (طٰہٰ[20] : 110)

"وہ لوگوں کے اگلے پچھلے حالات کو جانتا ہے اور لوگ اُس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے"۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الانعام[6] : 59)

"اور اُس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ بحر وبر میں ہے، وہ سب کا علم رکھتا ہے، اور (درخت سے) کوئی پتہ نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اُسے جانتا ہے، اور زمین کی تاریکیوں (کے پردوں) میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی خشک وتر (چیز) ہے مگر (یہ کہ سب) ایک کتاب میں (درج) ہیں"۔

وَمَا تَكُوْنُ فِىْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (یونس[10] : 61)

"اور (اے نبی ﷺ) آپؐ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور قرآن میں سے جو کچھ بھی پڑھتے ہیں اور (لوگو) جو کام بھی تم کرتے ہو ہم تم کو دیکھتے رہتے ہیں جب تم اُس میں مشغول ہوتے ہو۔ اور تمہارے رب (کی نظر) سے ذرہ برابر بھی (کوئی چیز) پوشیدہ نہیں، نہ زمین میں نہ آسمان میں، نہ چھوٹی نہ بڑی، مگر یہ کہ سب ایک واضح

کتاب میں (درج) ہیں"۔

ہمارے علم کی کیفیت تو یہ ہے کہ :

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (البقرۃ[2] : 255)

"اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اللہ کے علم میں سے کچھ بھی مگر وہی جتنا وہ چاہے"۔

نبی اکرم ﷺ کو اور اُن کے توسط سے ہمیں دعا سکھائی گئی رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طٰہٰ[20] : 114)

"اے میرے رب زیادہ کر دے میرے علم کو"۔

علمِ غیب کا مسئلہ:

نبی اکرم ﷺ کو علمِ غیب حاصل تھا یا نہیں، اس حوالے سے ہمارے ہاں ایک اختلاف پایا جاتا ہے۔ اِس اختلاف کی وجہ علمِ غیب کی دو مختلف تعریفیں ہیں:

i. علمِ غیب وہ علم ہے جس تک عام انسانوں کی رسائی ممکن نہ ہو لیکن وہ انبیاء کرام کو عطا کیا جائے جیسے ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

ذٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ (آلِ عمران[3] : 44)

"(اے نبی ﷺ) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ ﷺ پر وحی کر رہے ہیں"۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ (آلِ عمران[3] : 179)

"اور اللہ تمہیں غیب سے آگاہ کرنے والا نہیں ہے لیکن وہ چُن لیتا ہے رسولوں میں سے جس کو چاہے"۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهِ أَحَدًا ○ إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِن رَّسُولٍ (الجن[72] : 26-27)

"(اللہ) غیب کا جاننے والا ہے پھر وہ کسی کو غیب سے آگاہ نہیں کرتا سوائے اِس کے کہ چُن لیتا ہے کسی رسول کو"۔

ii. علمِ غیب وہ علم ہے جو مخلوقات میں سے کسی کو بھی نہیں دیا گیا۔ جو علم کسی نبی یا

رسول کو دے دیا گیا اب وہ غیب کا علم نہیں رہا۔ علمِ غیب کا جاننے والا صرف اللہ ہے جیسے ارشاداتِ قرآنی ہیں:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (الانعام[6]: 59)

"اور اُس (اللہ) کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (الانعام[6]: 50)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں"۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ (یونس[10]: 20)

"اور (یہ لوگ جو) کہتے ہیں کہ اُنؐ پر اُن کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی، تو (اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ غیب (کی خبر) تو بس اللہ ہی کے لیے ہے"۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل[27]: 65)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں موجود کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے"۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ (الاعراف[7]: 188)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے میں اختیار نہیں رکھتا اپنے لیے نفع و نقصان کا سوائے اِس کے جو اللہ چاہے۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی"۔

متوازن رائے یہ ہے کہ کل علمِ غیب صرف اللہ کے پاس ہے، البتہ وہ اِس میں سے کچھ انبیاء کرام کو دیتا ہے تاکہ اُنہیں پختہ یقین حاصل ہو جائے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ○

(الانعام[6]: 76)

"اور اِسی طرح ہم نے دکھائے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات تاکہ وہ ہو جائیں (کامل) یقین کرنے والوں میں سے"۔

iii. قدرت :

اللہ بھی اختیار رکھتا ہے اور ہم بھی اختیار رکھتے ہیں لیکن اللہ کل اور لامحدود اختیار کا مالک ہے۔ اللہ سورۃ البروج[85] آیت 16 کے مطابق فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے یعنی کر گزرنے والا ہے جو وہ چاہے۔ اِس کے برعکس ہمارا اختیار جزوی، محدود اور ہر وقت اللہ کے اختیار کے تابع ہے۔ قرآنِ حکیم میں یہ حقیقت اِس طرح بیان ہوئی:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ (آلِ عمران[3]: 26-27)

"اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے اے اللہ! ساری بادشاہی کے مالک، تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے، تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ (ہر طرح کی) بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ تو ہی جاندار کو بے جان میں سے نکالتا ہے اور تو ہی بے جان کو جاندار میں سے نکالتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے"۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ (الانعام[6]: 17)

"(اے نبی ﷺ) اگر اللہ آپ ﷺ کو کوئی تکلیف دے تو اُس کے سوا کوئی اُسے دور

کرنے والا نہیں اور اگر وہ آپ ﷺ کو کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۝ (یوسف[12]: 21)

"اور اللہ اپنے حکم (کے نافذ کرنے) پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

دعائے استخارہ میں ہم اللہ کے علم وقدرت کے قطعی ہونے کا اعتراف اِس طرح کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ۔ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ (۱)

"اے اللہ! میں آپ سے آپ کے علم کی بدولت بھلائی چاہتا ہوں اور آپ کی قدرت کی برکت سے طاقت مانگتا ہوں اور آپ سے بڑا فضل چاہتا ہوں۔ کیونکہ آپ طاقت رکھتے ہیں اور میں کمزور ہوں اور آپ جانتے ہیں اور میں نادان ہوں اور آپ چھپی ہوئی چیزیں بھی جانتے ہیں۔ الٰہی! اگر آپ کے علم میں میرا یہ کام بہتر ہے میرے دین، دنیا اور انجام کار کے اعتبار سے تو مقدر اور آسان کر دیجئے اِسے میرے لیے پھر مجھے اِس میں برکت عطا کیجئے اور اگر آپ کے علم میں یہ کام بُرا ہے میرے، دین، دنیا اور انجام کار کے اعتبار سے تو دُور کر دیجئے اِسے مجھ سے اور مجھے اِس سے اور مقدر کر دیجئے میرے لیے خیر جہاں کہیں ہو پھر مجھے اِس پر راضی کر دیجئے"۔

iv. حیات:

اللہ بھی زندہ ہے اور ہم بھی، لیکن ہماری زندگی اللہ کی عطا کردہ ہے:

(۱) صحیح البخاری، کتاب الدَّعَوَاتِ، باب الدُّعَاءِ عِنْدَ الِاسْتِخَارَةِ عن جابرؓ

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی آئے نہ اپنی خوشی چلے

ہماری حیات غذا، پانی، ہوا، حرارت، آرام اور نیند کی محتاج ہے جبکہ اللہ کی حیات اِن میں سے کسی شے کی حاجت مند نہیں۔ آیت الکرسی میں ارشاد ہوا:

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

"وہ بذاتِ خود زندہ ہے اور دوسروں کو بھی زندہ رکھے ہوئے ہے، نہ اُس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند"۔

وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

"اُس کا اقتدار (حکومت) آسمانوں اور زمین کی تمام وسعتوں پر چھایا ہوا ہے اور اُن کی نگرانی اُس کو تھکاتی نہیں ہے"۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ○ (قٓ[50]: 38)

"اور ہم نے چھ دنوں میں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اور تکان نے ہمیں چھوا (تک) نہیں"۔

وَهُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ (الانعام[6]: 14)

"وہ (اللہ) کھانے کو دیتا ہے جبکہ اُسے کھلائے جانے کی ضرورت نہیں"۔

v. کلام :

اللہ بھی کلام فرماتا ہے اور ہم بھی کلام کرتے ہیں۔ ہم جب بھی بات کرتے ہیں اللہ ہماری بات سنتا ہے لیکن ہم اِس قابل نہیں کہ اللہ ہم سے براہِ راست کلام فرمائے اور ہم اِس کی تاب لاسکیں:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ (الشوریٰ[42]: 51)

"اور کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اُس سے کلام کرے مگر الہام کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کسی فرشتے کو (اُس کے پاس) بھیجتا ہے اور وہ اللہ کے حکم سے جو کچھ اللہ کو منظور ہوتا ہے وحی کرتا ہے"۔

جس طرح اللہ کی تجلیات کا ادراک ہمارے حواس کی سرحدوں سے پرے ہے اِسی طرح ہم اللہ کا کلام سننے کی تاب بھی نہیں لا سکتے۔ کلام متکلم کی صفت اور اُس کی جملہ صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ اللہ کے کلام کی وہی تاثیر ہے جو تاثیر اُس کی ذات کی تجلّی کی ہے۔ اِس حقیقت کو سورۃ الحشر[59] آیت 21 اور سورۃ الاعراف[7] آیت 143 کے تقابلی مطالعے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ سورۃ الحشر[59] آیت 21 میں ارشاد ہوا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱

"اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ فکر کریں"۔

وَلَمَّا جَاۗءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (الاعراف[7]: 143)

"اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہِ طور پر) پہنچے اور اُن کے رب نے اُن سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اے اللہ! مجھے (اپنا جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار (بھی) کروں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ جب اُن کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اُس کو کر دیا ریزہ ریزہ اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے"۔

vi. وجود:

اللہ کا بھی وجود ہے اور جملہ مخلوقات کا بھی لیکن اللہ کے وجود کے مقابلہ میں جملہ مخلوقات کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ معرفتِ الٰہی کا آخری درجہ یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے وجود کے سوا ہر شے کا وجود وہمی اور خیالی محسوس ہو۔ اِس درجہ پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے مراد ہے لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ۔ فلسفۂ وحدت الوجود، وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں اِسی تصور کو پیش کرتا ہے۔ شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الفِ ثانی کہتے ہیں:

کُلُّ مَا فِی الْکَوْنِ وَھْمٌ اَوْ خِیَالٌ   اَوْ عَکُوْسٌ فِی الْمَرَایَا اَوْ ظِلَالٌ

"جو کچھ جہان میں ہے وہ کوئی وہم یا خیال ہے یا کسی آئینہ میں عکس ہے یا سایہ ہے"

غالب نے اِسی تصور کو یوں بیان کیا:

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد

عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے!

ایک بہت بڑا مغالطہ یہ ہے کہ ہمہ اوست کے عقیدے اور وحدت الوجود کے فلسفہ کو ہم معنی سمجھ لیا جاتا ہے اور ایسے بزرگوں کے بارے میں سوئے ظن پیدا ہو جاتا ہے جو وحدت الوجود کے فلسفہ کو پیش کرنے والے ہیں۔ ہمہ اوست کے عقیدے میں کائنات کا وجود حقیقی تسلیم کیا جاتا ہے جب کہ وحدت الوجود میں کائنات کو وہمی یا خیالی تصور کیا جاتا ہے اور حقیقی وجود صرف ذاتِ باری تعالیٰ کا سمجھا جاتا ہے۔

شرک فی الصفات کی ایک صورت مادّہ پرستی :

شرک فی الصفات کی ایک صورت ہے مادہ پرستی۔ دورِ حاضر میں انسانوں کی اکثریت اِس شرک میں مبتلا ہے۔ اِس شرک کے مظاہر ہیں:

i. معجزات کا انکار:

مادے کی صفات کو مستقل اور دائمی مان لیا گیا اور یہ سمجھ لیا گیا کہ مادی قواعد و ضوابط بنانے

کے بعد معاذاللہ، اللہ خود بھی اِن کا پابند ہو گیا اور اب ان میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس سوچ کے زیرِ اثر قرآنِ حکیم میں بیان کردہ اِن معجزات کو تسلیم نہیں کیا جاتا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ نے نہیں جلایا، حضرت موسیٰؑ کے عصا مارنے پر دریا کے بیچوں بیچ بالکل خشک راستہ وجود میں آگیا اور دونوں اطراف پانی نے پہاڑ کی صورت اختیار کر لی، حضرت عیسیٰؑ کی ولادت بغیر والد کے ہوئی اور نبی اکرم ﷺ نے جسمانی طور پر سفر معراج کی سعادت حاصل فرمائی۔ اِن معجزات کی خودساختہ عقلی توجیہات کی جاتی ہیں۔

ii. اسباب پر انحصار:

اسباب سے خوف و امید اور اسباب پر بھروسہ بھی شرک ہے جسے شرک فی التوکل کہا جاتا ہے۔ توحید کا لب لباب یہ ہے کہ اسباب اختیار کیے جائیں لیکن توکل صرف اور صرف اللہ کی ذات پر کیا جائے۔ یہی ہدایتِ ربانی کا خلاصہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝

(بنی اسرائیل 17: 2)

"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا کہ میرے سوا کسی اور پر توکل نہ کرو"۔

iii. حد سے زیادہ خود اعتمادی:

اپنے علم، ذہانت، دور اندیشی، منصوبہ بندی اور محنت پر بھروسہ کرنا بھی شرک ہے۔ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝ (الکہف 17: 23-24)

"اور کسی کام کے بارے میں کبھی ایسا نہ کہو کہ میں اِس کو ضرور کل کروں گا مگر (یوں کہا کرو) اگر اللہ چاہے اور یاد کرو اپنے رب کو جب بھی بھول جاؤ اور کہو ممکن ہے میرا رب اس سے بہتر راہ مجھے سجھا دے"۔

قارون اِسی شرک میں مبتلا تھا:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (القصص[28]: 78)

"(قارون) بولا یہ (مال و دولت) تو مجھے میری ذاتی علم سے ملا ہے"۔

مادہ پرستی ہی دراصل دجالی فتنہ ہے جس کا مؤثر ترین رد، سورۃ الکھف میں بیان ہوا ہے۔ کئی احادیثِ مبارکہ میں اِس سورۃ کے حفظ اور جمعہ کے دن اِس کی تلاوت کو دجالی فتنہ سے حفاظت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

3. شرک فی الحقوق (خفی ترین اور عملی شرک)

شرک فی الحقوق سے مراد ہے شرک فی العبادت کیونکہ اللہ نے بندوں سے صرف ایک ہی حق ادا کرنے کا تقاضا کیا ہے اور وہ ہے "عبادت"۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (طٰہٰ[20]: 14)

"بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری عبادت کرو"۔

شرک فی الحقوق سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ کی جائے۔ اِس حوالے سے ضروری ہے کہ لفظ عبادت کی اہمیت اور مفہوم کو سمجھا جائے۔

عبادت کی اہمیت:

- اللہ نے اپنی عبادت کو جنات اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد قرار دیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۝ (الذاریات[51]: 56)

"میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں بنایا مگر اِس لیے کہ وہ میری عبادت کریں"۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

- قرآنِ حکیم میں سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی ابتدائی بیس آیت میں کوئی حکم نہیں بلکہ خبریہ انداز میں چند اہم امور سے آگاہ کیا گیا۔ قرآنِ حکیم کا اوّلین حکم سورۃ البقرۃ کی آیت 21 میں آیا جس میں پوری نوعِ انسانی کو اللہ کی عبادت کی تلقین کی گئی:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝

"اے لوگو! عبادت کرو اُس رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور اُن کو بھی جو تم سے پہلے گزرے تا کہ تم بچ سکو (عذاب سے)"۔

- قرآنِ حکیم میں تمام رسولوں کی ایک ہی دعوت بیان کی گئی کہ "اللہ کی عبادت کرو"

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الاعراف[7]: 59، 73، 65، 85، ھود[11]: 50، 61، 84)

"اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، کیونکہ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے"۔

- قرآنِ حکیم میں مجموعی طور پر 33 بار اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا۔

عبادت کا مفہوم:

i. لغوی مفہوم:

عَبَدَ - يَعْبُدُ کا لغوی مفہوم ہے جُھک جانا، پست ہو جانا، بچھ جانا، مطیعِ فرمان ہو جانا۔ عَبْدٌ عربی میں کہتے ہیں غلام کو۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (البقرۃ[2]: 178)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر مقتولوں کے معاملہ میں بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلہ آزاد اور غلام کے بدلہ غلام"۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (المؤمنون[23]: 47)

"تو اُنہوں (یعنی فرعون اور اُس کے سرداروں) نے کہا کہ کیا ہم اِن دونوں (یعنی موسیٰ اور ہارونؑ) کی بات مانیں جبکہ اِن کی قوم ہماری غلام ہے"۔

عبادت کے لغوی معنی ہیں غلامی۔ جس طرح غلام ہر وقت اور ہر معاملہ میں اپنے آقا کے حکم پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے، اِسی طرح اللہ کی عبادت کا مطلب ہے ہر وقت اور زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کی اطاعت کرنا۔ فارسی میں غلام کو "بندہ" کہتے ہیں:

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

لہٰذا فارسی میں عبادت کے لغوی مفہوم کے لیے مناسب لفظ ہے "بندگی"۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اِک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

ii. اصطلاحی مفہوم:

عبادت کا اصطلاحی مفہوم بڑے جامع انداز سے بیان کیا حافظ ابنِ قیمؒ نے:

اَلْعِبَادَةُ تَجْمَعُ اَصْلَیْنِ: غَایَةُ الْحُبِّ مَعَ غَایَةُ الذُّلِّ وَ الْخُضُوْعِ

"عبادت دو چیزوں کو جمع کرتی ہے ایک انتہائی محبت اور دوسرے انتہائی عاجزی کے ساتھ پست ہو جانا"۔

گویا غلامی مجبوری کے ساتھ ہوتی ہے لیکن عبادت کی جاتی ہے دلی آمادگی کے ساتھ۔ عبادت کا اصطلاحی مفہوم ہے شوق اور محبت کے جذبے کے ساتھ معبود کے سامنے بچھ جانا۔ اگر معبود حکم نہیں دے سکتا تو اُس کی صرف پوجا ہوگی اور اگر حکم دے سکتا ہے تو اُس کی اطاعت بھی کرنی ہوگی۔ معبودِ حقیقی یعنی اللہ کی عبادت یہ ہے کہ اللہ کے سامنے عاجزی اختیار کرتے ہوئے اُس کے ہر حکم پر پورے ذوق و شوق کے ساتھ عمل کرنا۔

عبادت = اطاعت کُلی + محبتِ قلبی

اللہ کی اطاعتِ کلی عبادت کا جسم ہے:

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (الزمر[39]: 2-3)

"پس اللہ کی عبادت کرو اپنی اطاعت کو اُس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ جان لو کہ اللہ کے لیے ہے خالص اطاعت"۔

اللہ سے محبتِ قلبی اُس کی عبادت کی روح ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ[2]: 165)

"اور جو ایمان لائے وہ اللہ کی محبت میں بڑے پکے ہوتے ہیں"۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب
جو سجدے میں دل بھی جھکے گا نہ ماہر
وہ کچھ اور شے ہے عبادت نہ ہوگی

غلامی اور ملازمت کے فرق پر غور کرنے سے عبادت کا وسیع مفہوم واضح ہوتا ہے۔ ملازمت کسی خاص کام اور معین وقت کے لیے ہوتی ہے جبکہ غلام کو ہر کام میں اور ہر وقت اپنے آقا کی اطاعت کرنا ہوتی ہے۔

عبادت کا محدود تصور:

عبادت کا محدود تصور یہ ہے کہ اِسے محض عبادات، تہواروں اور خوشی و غمی کے حوالے سے چند رسومات تک محدود سمجھا جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم اِس تصور کی نفی کرتا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڏ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ (البینۃ[98]: 5)

"اور ان کو اِس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں، اپنی اطاعت کو صرف اُسی کے لیے خالص کر کے بالکل یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی (طرزِ عمل) ہے بالکل سیدھا دین"۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الحج[22]: 77)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا علیحدہ حکم ہے اور عبادات کا علیحدہ۔ گویا عبادت سے مراد صرف عبادات نہیں۔ سورۃ یٰسٓ آیات 60 اور 61 میں فرمایا:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

"اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے"۔

اِس آیت میں عبادت کا مفہوم اطاعت اور پیروی ہی ہو سکتا ہے کیونکہ شیطان کے لیے عبادات تو کوئی انجام نہیں دیتا۔

عبادت میں شرک:

قرآن حکم دیتا ہے عبادت میں شرک نہ کرو:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۝ (الکہف[18]: 110)

"پس جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرے"۔

شرک فی العبادت سے مراد ہے شرک فی الاطاعت اور شرک فی المحبت۔

شرک فی الاطاعت:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (۱)

"مخلوقات میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں اگر اِس سے خالق کی نافرمانی ہو"۔

- انفرادی سطح پر ہماری اکثریت اللہ کے بجائے نفس کی اطاعت کرتی ہے:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝۴۳ۙ (الفرقان[25]: 43)

"(اے نبی ﷺ) کیا آپؐ نے اُس شخص (کے حال) پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہشِ (نفس) کو اپنا معبود بنالیا ہے؟"

نفسِ ما ہم کم تر از فرعون نیست
لیک اُو را عون اِیں را عون نیست

- اجتماعی سطح پر اللہ کے بجائے انسانوں کے بنائے ہوئے نظام اور قانون کی اطاعت کی جا رہی ہے، حالانکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ (بنی اسرائیل[3]: 111)

"حکومت میں اُس (اللہ) کا کوئی شریک نہیں ہے"۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، باب4، رقم14795عن عمران بن حصین و سنن الترمذی، کتاب الجهاد عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق

وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (الکھف[18]: 26)

"اور وہ (اللہ) اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا"۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ (یوسف[12]: 40)

"حکومت تو بس ایک اللہ ہی کی ہے۔ اُس کا حکم ہے کہ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو"۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (المائدۃ[5]: 44)

"اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں"۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (المائدۃ[5]: 45)

"اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں"۔

ظلم سے مراد ہے اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور نوعِ انسانی پر زیادتی کرنا۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (المائدۃ[5]: 47)

"اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں"۔

اِس وقت ہم ایک کافرانہ، مشرکانہ، ظالمانہ اور باغیانہ نظام کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اوّلین اور اہم ترین کام نظام کی تبدیلی کی جدوجہد ہے۔

باطل کے اقتدار میں تقویٰ کی آرزو

کتنا حسیں فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم

- درمیانی سطح پر خلافِ شریعت امور میں شوہر، والدین، اساتذہ، افسرانِ بالا، سرداروں، مذہبی پیشواؤں، سیاسی رہنماؤں اور حکام کی اطاعت بھی شرک ہے۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ (الاحزاب[33]: 67)

"اور (دوزخ والے) کہیں گے کہ اے ہمارے رب، ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہنا مانا اور اُنہوں (ہی) نے ہمیں گمراہ کیا"۔

کلی تقلید صرف اللہ کے رسول کی جائز ہے لہٰذا کسی غیرِ رسول کی جامد تقلید بھی شرک ہے۔ عیسائیوں نے حلال و حرام کا اختیار اپنے مذہبی پیشواؤں کو دے کر اُن کی اطاعت کی لہٰذا اللہ نے

اِسے شرک قرار دے کر فرمایا:

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبۃ[9]: 31)

"اُنہوں نے اپنے علماء وصوفیاء کو رب بنالیا اللہ کو چھوڑ کر"۔

شرک فی المحبت:

اللہ سے شدید محبت ایمانِ حقیقی کا اہم اور اولین تقاضا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ[2]: 165)

"اور اہلِ ایمان تو (سب سے) بڑھ کر صرف اللہ ہی کو محبوب رکھتے ہیں"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ

(المائدۃ[5]: 54)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر گیا تو اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جس سے وہ محبت کرے گا اور وہ اُس (اللہ) سے محبت کرے گی"۔

- انفرادی سطح پر ہماری اکثریت مال کی محبت کو اللہ کی محبت پر ترجیح دیتی ہے۔ اِس حوالے سے ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ(۱)

"ہلاک ہو گیا درہم و دینار کا بندہ"۔

- اجتماعی سطح پر موجودہ دور میں وطن کی محبت ہر چہار طرف غالب نظر آتی ہے۔ بقول علامہ اقبال:

اِس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیرہن اِس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، باب الْحِرَاسَةِ فِي الْغَزْوِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عن ابی ہریرۃؓ

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے اِسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اِس بت کو ملا دے

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اِسی سے تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اِسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اِسی سے کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اِسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اِسی سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اِسی سے

معبودِ حقیقی یعنی اللہ کی طرح معبودِ وطن کے لیے بھی ترانۂ حمد پڑھا جاتا ہے، سلامی پیش کی جاتی ہے اور قنوت یعنی ادب واحترام سے کھڑے ہونے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

- درمیانی سطح پر بیوی، اولاد، مذہبی پیشواؤں اور سیاسی رہنماؤں کی محبت بھی شرک ہے، اگر یہ محبت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت پر غالب آجائے۔ خلافِ شرع کام کرنے والوں کو اپنا ہیرو یا آئیڈیل قرار دے کر اُن کا پرستار بننا بھی شرک ہے۔

عبادت میں شرک کی کچھ مزید صورتیں:

i. **مراسمِ عبودیت میں شرک** یعنی رکوع، سجدہ، نذرونیاز وغیرہ اللہ کے سوا کسی اور کے لیے کرنا۔

ii. **دعا میں شرک** یعنی اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کرنا۔ عبادت کے ساتھ دعا کا تعلق نبی اکرم ﷺ نے اِس طرح واضح فرمایا:

اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (۱) "**دعا عبادت کا مغز ہے**"۔

اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةِ (۲) "**دعا ہی اصل عبادت ہے**"۔

(۱) سنن ترمذی، کتاب الدَّعَوَاتِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الدُّعَاءِ عن انس بن مالکؓ
(۲) سنن ترمذی، کتاب الدَّعَوَاتِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الدُّعَاءِ عن النعمان بن بشیرؓ

لہٰذا اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کرنا شرک فی العبادت ہے:

اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (الجن[72]: 18)

"بلاشبہ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں تو (اِن میں) اللہ کے ساتھ کسی (اور) کو نہ پکارو"۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحۃ[1]: 4)

"(اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں"۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ (المؤمن[40]: 60)

"(لوگو) تمہارا رب فرماتا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری (دُعا) قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کی وجہ سے گریز کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے"۔

iii. اخلاص میں شرک یعنی عمل کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول نہ ہو بلکہ کسی کو دکھانا یا سنانا یا دنیا کا فائدہ حاصل کرنا ہو۔ مسندِ احمد کی روایت ہے:

مَنْ صَلّٰى يُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ مَنْ صَامَ يُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ مَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ(۱)

"جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اُس نے شرک کیا جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اُس نے شرک کیا جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ کیا اُس نے شرک کیا"۔

اختتامی باتیں:

1. شرک کی یہ جملہ تفاصیل سامنے آنے کے بعد ہمیں کسی درجہ میں سورۃ یوسف[12] آیت 106 کا صحیح فہم حاصل ہوتا ہے کہ: وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (اُن میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر یہ کہ وہ شرک بھی کیے جاتے ہیں)۔
2. مذکورہ بالا تفاصیل، قرآنِ حکیم میں چھ بار حضرت ابراہیم کے لیے اِس سند کے بیان ہونے کی اہمیت واضح کرتی ہیں کہ:

(۱) مسند احمد، کتاب بَاقِی مُسْنَدُ الشَّامِيِّينَ، باب حَدِيثُ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ ؓ، 16517

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ "وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے"۔

بر اہیمی نظر پید ا مگر مشکل سے ہو تی ہے

ہوس چھُپ چھُپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں

3. شرک کے بارے میں مذکورہ بالا تفاصیل کے علم سے قبل صرف ایسے لوگ مشرک نظر آتے ہیں جو اللہ کے سوادوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں، بزرگانِ دین کے نام کی نذرونیاز کرتے ہیں، بزرگانِ دین کے مزارات پر اپنی حاجت روائی کے لیے دعائیں کرنے جاتے ہیں اور اِن مزارات پر غیر شرعی رسومات انجام دیتے ہیں۔ مذکورہ بالا تفاصیل جاننے کے بعد انسان کو اپنی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے کہ کہیں میں بھی تو مشرکین میں شامل نہیں ہوں۔

کسی مسلمان کو مشرک نہیں کہنا چاہیے:

- ہر علم رکھنے والا عالم نہیں ہوتا، اِسی طرح ہر شرک کرنے والا مشرک نہیں ہوتا۔
- اہلِ کتاب نے بدترین شرک یعنی شرک فی الذات کیا لیکن قرآن میں اُنہیں مشرک نہیں بلکہ اہلِ کتاب کہا گیا:

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

(البقرة[2]: 105)

"نہیں چاہتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو"۔

اِسی طرح اہلِ کتاب کے کھانے اور اُن کی خواتین کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا:

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (المائدة[5]: 5)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے

حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کے لیے حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہلِ کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جب کہ اُن کا مہر دے دو اور اُن سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی اور جو شخص ایمان کے بعد کفر کرے گا تو اُس کا عمل برباد ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہو گا"۔

- در حقیقت ہر گناہ شرک کا مظہر ہے لیکن اللہ نے بعض گناہوں کو شرک قرار نہیں دیا اور اُن کی معافی کا وعدہ فرمایا:

i. کبائر سے بچنے والوں کے صغیرہ گناہ معاف کرنے کی بشارت دی گئی:

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ۝

(النساء[4]: 31)

"اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہاری (چھوٹی) برائیوں کو (تمہارے حساب سے) ساقط کر دیں گے اور تم کو عزت کے مقام میں داخل کریں گے"۔

اَلَّذِيۡنَ يَجۡتَنِبُوۡنَ كَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَةِ

(النجم[53]: 32)

"(ایسے لوگوں کے لیے) جو بچتے رہے کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے سوائے چھوٹے گناہوں کے، اے نبی ﷺ آپ کے رب کی مغفرت بلاشبہ وسیع ہے"۔

ii. مجبوری میں بقدرِ ضرورت حرام سے استفادہ کی اجازت دی گئی:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ‌ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۷۳ (البقرۃ[2]: 173)

"اُس نے تم پر مردار (جانور) اور خون اور سور کا گوشت حرام کیا ہے اور (نیز) وہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ لیکن جو شخص (بھوک سے) بے قرار ہو جائے (جب کہ وہ) حکم عدولی اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اُس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ غفور و رحیم ہے"۔

iii. بھول اور خطاء یعنی غیر شعوری یا وقتی جذبات کے تحت ہونے والے گناہ کی معافی کے لیے دعا سکھائی گئی :

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (البقرۃ2: 286)

"اے ہمارے رب، اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو (اُن گناہوں پر) ہماری گرفت نہ فرما"۔

البتہ ایسا گناہ جو جان بوجھ کر اور مستقلاً کیا جائے، بغیر توبہ کے معاف نہیں کیا جائے گا۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ (البقرۃ2: 81)

"کیوں نہیں! جس کسی نے بھی ایک بُرائی کمائی اور اُس برائی نے اُسے گھیرے میں لے لیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے"۔

- کسی ایک فرد یا گروہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو مشرک قرار دے۔ غیر مسلم قرار دینے کی واحد صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر مل کر حکومت سے ایسا فیصلہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔
- ہمیں اپنی فکر کرنی چاہیئے اور دوسروں کو ہمدردی کے ساتھ شرک سے بچنے کی تلقین کرنی چاہیئے۔

حقیقت و اقسامِ شرک

کو مزید وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے

محترم ڈاکٹر اِسرار احمد صاحب کے اِس موضوع پر

چھ آڈیو کیسٹس یا ایک آڈیو CD کی سماعت کا اہتمام فرمائیے

منتخب نصاب حصّہ اوّل

درسِ پنجم :سورۃ حٰم السجدۃ[41] آیات 30-36

"حظِّ عظیم"

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ﴿ؕ۳۱﴾ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ ﴿٪۳۲﴾ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَۃُ وَ لَا السَّیِّئَۃُ ؕ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا ۚ وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ﴿۳۵﴾ وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۶﴾

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ اوّل کا درسِ چہارم سورۃ حم السجدہ کی سات آیات یعنی آیات 30 تا 36 کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔
2. قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر سات آیات میں اہم مضامین بیان ہوئے ہیں مثلاً:

سورۃ الفاتحہ	فطرتِ انسانی کی ترجمانی
سورۃ البقرۃ رکوع 5	بنو اسرائیل کو دعوتِ ایمان و عمل
سورۃ المائدۃ رکوع 7	نفاذ شریعت کی پُرزور تاکید
سورۃ المدثر ابتدائی سات آیات	نبی اکرم ﷺ کا فرضِ منصبی
سورۃ القلم ابتدائی سات آیات	نبی اکرم ﷺ کے محاسن کا بیان

3. اِس درس میں شامل آیات سے سورۃ العصر میں بیان شدہ نجات کی شرائط ایک نئے انداز میں اِس طرح واضح ہو کر سامنے آتی ہیں:

i. ایمان کی وضاحت میں اللہ پر ایمان کے حوالے سے آیت 30 میں اللہ ہی کو رب تسلیم کرنے کا اعلان ہے اور اللہ کی چار صفات (غفور، رحیم، سمیع، علیم) کا بیان آیات 32 اور 36 میں آیا۔ آخرت پر ایمان کے ذیل میں آیت 30 میں فرمایا گیا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ (اور خوشخبری لو اُس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے)۔ اِسی طرح آیت 31 میں الفاظ آئے نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ‌ ۚ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ (ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور تمہارے لیے اُس (جنت) میں وہ سب ہو گا جو تمہارے جی چاہیں گے اور تمہارے لیے اُس میں وہ سب ہو گا جو تم مانگو گے)۔ آیت 30 میں فرشتوں پر ایمان کا ذکر یوں کیا گیا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ (نازل ہوتے ہیں اُن پر فرشتے)۔ پھر آیت 30 ہی میں ایمان کے حاصل یعنی زوالِ خوف و حزن کا بیان اِس طرح آیا کہ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا (نہ تم ڈرو اور نہ کچھ غم کرو)۔

ii. عملِ صالح کی اصطلاح آیت 33 میں آئی اور اِس سے قبل اِستقامت کا ذکر آیت 30 میں وارد ہوا۔

iii. تواصی بالحق کے حوالے سے "دعوت الی اللہ" کی اصطلاح آیت 33 میں بیان ہوئی۔

iv. تواصی بالصبر کے ذیل میں صبر کا ذکر آیت 35 میں ہوا۔

4. اِس درس میں شامل آیات میں سورۃ العصر میں بیان شدہ لوازمِ نجات کی بلند ترین منازل کا تذکرہ ہے:

- ایمان کی اعلیٰ ترین منزل ہے اللہ ہی کے "رب" ہونے پر یقین۔
- عملِ صالح کی اعلیٰ ترین منزل ہے "اِستقامت"۔
- تواصی بالحق کی اعلیٰ ترین منزل ہے "دعوت الی اللہ"۔
- صبر کی اعلیٰ ترین منزل ہے "برائی کا جواب بھلائی سے دینا"۔

آیات کے مضامین پر غور

آیت30:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ... بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے ... ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا ... پھر ڈٹ گئے... تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ... نازل ہوتے ہیں اُن پر فرشتے... اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا ... (یہ کہتے ہوئے) نہ تم ڈرو اور نہ کچھ غم کرو... وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۝ اور خوشخبری لو اُس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

اِس آیت میں اللہ کا ایک اہم اسم رب اور ایک اہم اصطلاح استقامت بیان ہوئی ہے۔

رب:

- لفظ رب کا مادہ ہے ر ب ب (ن) جس سے بننے والے مصدر کے معنی ہیں مالک ہونا، بالا دست ہونا، انتظام کرنا۔ امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں اِس کی وضاحت یوں بیان کی ہے:

اِنْشَاءُ الشَّیۡءِ حَالًا فَحَالًا اِلٰی حَدِّ تَمَامٍ

"کسی شے کو درجہ بدرجہ ابتداء سے آخری حد تک لے جانا"۔

- رب کے ایک معنی ہیں مالک یا آقا۔ سورۃ یوسف[12] آیت 23 میں حضرت یوسفؑ کے عزیزِ مصر کے بارے میں یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں کہ اِنَّہٗ رَبِّیۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ – بلاشبہ وہ میرا ایسا آقا ہے جس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔

رب کے دوسرے معنی ہیں ضروریات پوری کرنے والا، پروان چڑھانے والا، پروردگار، پالن ہار۔ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی رب ہے جو تمام مادّی وروحانی ضروریات پوری فرماتا ہے۔

دونوں مفاہیم میں مطابقت یہ ہے کہ جو مالک ہوتا ہے وہی اپنی ملکیت کی تمام ضروریات بھی پوری کرتا ہے۔

اِستقامت:

- اِستقامت کل تعلیماتِ دینی کا خلاصہ وعطر ہے۔ ارشاداتِ نبوی ﷺ ہیں:

عَنۡ سُفۡیَانَ بۡنِ عَبۡدِاللّٰہِ الثَّقَفِیِّ قَالَ قُلۡتُ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ قُلۡ لِیۡ فِی الۡاِسۡلَامِ قَوۡلًا

لَا اَسَالُ عَنۡهُ اَحَدًا بَعۡدَكَ قَالَ: قُلۡ اٰمَنۡتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسۡتَقِمۡ (۱)

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اِسلام کے بارے میں کوئی ایسی بات بتائیے کہ میں آپ ﷺ کے بعد اِس بارے میں کسی اور سے کچھ نہ پوچھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا" کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اِس پر ڈٹ جاؤ"۔

وَعَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ قَارِبُوۡا وَسَدِّدُوۡا وَاعۡلَمُوۡا اَنَّهٗ لَنۡ یَّنۡجُوَا اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ بِعَمَلِهٖ قَالُوۡا یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ: وَلَا اَنۡتَ؟ قَالَ: وَلَا اَنَا اِلَّا اَنۡ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَفَضۡلٍ (۲)

حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "میانہ روی اختیار کرو، غلو نہ کرو اور اِستقامت اختیار کرو اور جان لو تم میں سے کوئی اپنے عمل سے نجات نہ پاسکے گا"۔ سوال کیا گیا آپ ﷺ بھی؟ فرمایا" ہاں میں بھی سوائے اِس کے کہ اللہ ڈھانپ لے مجھے اپنی رحمت اور فضل سے"۔

- صوفیاءِ کرام کا قول ہے کہ:

اَلۡاِسۡتِقَامَةُ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ کَرَامَةٍ

"اِستقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے"۔

- اِستقامت کا لفظ بنا ہے ق و م سے۔ اِس کے لغوی معنی ہیں ڈٹ جانا، جم جانا، جھیلنا، برداشت کرنا۔
- اللہ کی ربوبیت پر اِستقامت کے دو پہلو ہیں:

i. اِستقامتِ ظاہری جس کے مظاہر ہیں:

- عبادتِ رب یعنی دلی آمادگی کے ساتھ اللہ کی کلی اطاعت کرنا۔
- امر بالمعروف یعنی اللہ کی مرضی جاری و ساری کرنے کی کوشش کرنا۔
- نہی عن المنکر یعنی اللہ کی نافرمانی کو مٹانے کے لیے تن من دھن لگانا۔

ii. اِستقامتِ باطنی جس سے مراد ہے:

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الۡإِیمَانِ، باب جَامِعِ أَوۡصَافِ الۡإِسۡلَامِ

(۲) صحیح مسلم، کتاب صِفَةِ الۡقِیَامَةِ وَالۡجَنَّةِ وَالنَّارِ، باب لَنۡ یَدۡخُلَ أَحَدٌ الۡجَنَّةَ بِعَمَلِهِ بَلۡ بِرَحۡمَةِ اللّٰهِ تَعَالَى

- راضی برضائے رب ہونا یعنی اللہ کے ہر فیصلے پر راضی رہنا۔
- اللہ کا شکر کرنا یعنی ہر نعمت کو اللہ ہی کی عطا سمجھنا اور اِس پر نہ اترانا
- مَخَافَةُ الله یعنی اللہ ہی سے ڈرنا۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

رَأسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللهِ (۱)

"حکمت کی چوٹی اللہ کا خوف ہے"۔

- توکل علی اللہ یعنی اللہ پر بھروسہ کرنا اور اُسی سے امید رکھنا۔

وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ○ (التغابن[64] : 13)

"اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں"۔

- تفویض الامر الی اللہ یعنی تمام معاملات اللہ کے سپرد کرنا۔

وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللهِ (المؤمن[40]: 44)

"اور میں تو اپنا معاملہ اللہ (ہی) کے سپرد کرتا ہوں"۔

کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

"ہمارا کارساز ہمارے مسائل کے حل کا دھیان رکھتا ہے۔ ہمارا بذاتِ خود اپنے مسائل کے حل کے بارے میں متفکر ہونا ہمیں پریشان کر دیتا ہے"۔

درج بالا تفصیلات واضح کرتی ہیں کہ "لفظِ اِستقامت میں ایک قیامت مضمر ہے"۔

- آیت کے اگلے حصّہ میں اللہ کی ربوبیت پر استقامت اختیار کرنے والوں کے بارے میں خبر دی گئی کہ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ... نازل ہوتے ہیں اُن پر فرشتے۔ نیک لوگوں پر فرشتوں کا نزول نہ صرف آخرت میں ہو گا بلکہ دنیا میں بھی ہوتا ہے جس کے مواقع حسبِ ذیل ہیں:

i. نیکی پر انسان کی حوصلہ افزائی کے لیے۔ اللہ نے انسان پر حملہ آور شر کی ہر نوعیت کی قوت کے مقابلہ میں اُس کی مدد کے لیے اُسی نوعیت کی خیر کی قوت بھی رکھی ہے:

---

(۱) شعب الایمان للبیهقی، کتاب الحادی عشر من شعب الإیمان وهو باب فی الخوف من الله، 763 ... عن ابن مسعودؓ

- شر کی باطنی قوت ہے نفسِ امارہ بالسوء (برائی پر ابھارنے والا نفس) اور خیر کی باطنی قوت ہے نفسِ لوامہ (ضمیر)۔
- شر کی ظاہری قوت ہیں فاسقین وفجار اور خیر کی ظاہری قوت ہیں صالحین۔
- شر کی مخفی قوت ہیں شیاطینِ جنّ اور خیر کی مخفی قوت ہیں فرشتے۔

ii. معرکۂ حق و باطل میں اہلِ ایمان کی نصرت کے لیے جیسے غزوۂ بدر میں:

اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَـكُمۡ اَنِّىۡ مُمِدُّكُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ مُرۡدِفِيۡنَ○

(الانفال 8:9)

"(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم نے اپنے رب سے فریاد کی تھی تو اُس نے تمہاری فریاد سن لی تھی (اور فرمایا تھا) کہ ہم یکے بعد دیگرے اترنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کریں گے"۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو

اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

iii. ایسی محافل پر جن میں قرآنِ حکیم کی تلاوت اور تدریس ہو رہی ہو۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللهِ وَ يَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ ذَكَرَهُمُ اللهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ (۱)

"جب بھی کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور آپس میں اِسے سیکھتے اور سکھاتے ہیں تو اُن پر سکون اور اطمینان کا نزول ہوتا ہے اور رحمت اُن پر چھا جاتی ہے اور فرشتے اُن کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ اُن کا تذکرہ اپنے مقربین کی محفل میں کرتا ہے"۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَالتَّوْبَةِ وَالِاسْتِغْفَارِ، باب فَضْلِ الِاجْتِمَاعِ عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَعَلَى الذِّكْرِ ... عن ابی ھریرۃ

iv. نیک لوگوں پر عالمِ نزاع کے وقت۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ادۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ○ (النحل[16]: 32)

"جب فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں پاکیزہ لوگوں کی تو کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو۔ داخل ہو جاؤ جنت میں اُن اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے رہے ہو"۔

- آیت کے اگلے حصّہ میں اللہ کی ربوبیت پر استقامت اختیار کرنے والوں کو فرشتوں کے ذریعہ خوشخبری دی گئی اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا ... نہ تم ڈرو اور نہ کچھ غم کرو۔ حزن یعنی غم کا تعلق ماضی کے افسوس ناک واقعات سے اور خوف کا تعلق مستقبل کے اندیشوں سے ہوتا ہے۔ زوالِ خوف و حزن کی نعمت اِس یقین کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہوا اللہ نے کیا اور مستقبل میں جو ہو گا وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ہو گا۔ اللہ کے ہر فیصلے میں خیر ہی خیر ہے۔ وہ ہمارا ہم سے بڑھ کر خیر خواہ اور ہماری مصلحتوں کا ہم سے بڑھ کر جاننے والا ہے۔ زوالِ خوف و حزن کی نعمت مقامِ ولایت پر حاصل ہوتی ہے:

اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ○ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ○ (یونس[10]: 62-63)

"یاد رکھو اللہ کے دوستوں کے لیے نہ تو (کسی طرح کا) خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) بچتے رہے"۔

آیت 31:

نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓـؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ ... ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں ... وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ ... اور تمہارے لیے اُس (جنت) میں وہ سب ہو گا جو تمہارے جی چاہیں گے ... وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ○ اور تمہارے لیے اُس (جنت) میں وہ سب ہو گا جو تم مانگو گے۔

اِس آیت میں جنت کی حسبِ ذیل تین نعمتوں میں سے دو کا بیان ہے:

i. وہ نعمتیں جن کا تعلق ہماری نفسانی یا جبلی خواہشات کی تسکین سے ہے۔ اِن کے لیے الفاظ آئے مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ (وہ سب جو تمہارے جی چاہیں گے) جیسے غذا، مشروبات،

لباس، جنسی جذبہ کی تسکین وغیرہ۔ یہ نعمتیں بغیر طلب کیے عطا کی جائیں گی۔

ii. وہ نعمتیں جن کا تعلق ہر انسان کے اپنے اپنے ذوق سے ہے اور وہ اُنہیں طلب کرے گا (مَاتَدَّعُوْنَ)۔ طلب کرنے پر یہ نعمتیں فراہم کر دی جائیں گی۔

iii. وہ خاص نعمتیں جن کا تصّور کرنا اِس دنیا میں ناممکن ہے۔ اِن کے بارے میں سورۃ قٓ[50] آیت 35 میں فرمایا گیا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ (ہمارے پاس مزید بھی ہے)۔ اِن نعمتوں کا بیان اگلی آیت میں آرہا ہے۔

آیت 32:

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○ ابتدائی مہمانی ہو گی غفور ورحیم کی طرف سے۔

عربی میں "نَزِيْل" کہتے ہیں اِس مہمان کو جو ابھی ابھی سواری سے اترا ہے۔ اِسی طرح "نُزُل" کہتے ہیں ابتدائی مہمانی کو جو موسم کی مناسبت سے ٹھنڈے یا گرم مشروب کی صورت میں مہمان کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ اصل ضیافت کا اہتمام بعد میں کیا جاتا ہے۔ اِس آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ جنت کی مذکورہ بالا دو نعمتیں تو "نُزُل" کے درجہ میں ہیں اور اصل یعنی تیسری نعمت تو بعد میں عطا کی جائے گی۔ اِس نعمت کے بارے میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُّ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (۱)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے اُن کا ذکر سنا اور نہ ہی کسی دل پر اُن کا خیال گزرا، اگر تم چاہو تو پڑھ لو فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ... انسان نہیں جانتے کہ اُن کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے (سورۃ السجدۃ[32]: 17)"۔

آیت 33:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ... اور کس کی بات اچھی ہو گی اُس سے جو بلائے اللہ کی طرف... وَعَمِلَ صَالِحًا... اور عمل کرے اچھا... وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ اور کہے میں بھی عام

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب بَدْءِ الْخَلْقِ، باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْجَنَّةِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ، و صحیح مسلم، کتاب الْجَنَّةِ وَصِفَةِ نَعِيمِهَا وَأَهْلِهَا... عن ابی ھریرۃ ؓ

مسلمانوں میں سے ہوں۔

- اِس آیت میں "دعوت الی اللہ" کو بہترین بات قرار دیا گیا۔ انسان کی قوتِ بیان کا سب سے اچھا مصرف یہ ہے کہ وہ اِسے "دعوت الی اللہ" کے لیے استعمال کرے۔ قوتِ بیان بلاشبہ انسان کا اعلیٰ ترین وصف ہے۔ سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی چار آیات میں ارشاد ہوا:

اَلرَّحْمٰنُ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ○

"(اللہ جو) نہایت رحم کرنے والا ہے، اُسی نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا، اُسے بیان کرنے کی صلاحیت دی"۔

اِس آیت میں چار چوٹی کی چیزیں بیان ہوئیں۔ اللہ کی سب سے پیاری شان "رحمان"، اللہ کا سکھایا ہوا سب سے اعلیٰ کلام "قرآن"، اللہ کی سب سے اشرف مخلوق "انسان" اور انسان کا سب سے نمایاں وصف "بیان"۔ اعلیٰ شے کا استعمال بھی اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ انسان کے لیے قوتِ بیان کا اعلیٰ ترین مصرف ہے قرآن سیکھنا اور سکھانا۔ قرآن کے ذریعہ "دعوت الی اللہ" کا عمل نور علیٰ نور ہے۔

- انسان کی قوتِ بیان کے استعمالات دو طرح کے ہیں:

i. **منفی استعمال:**

- مجلسی برائیاں جیسے غیبت کرنا، بہتان لگانا، چغلی کھانا، طنز کرنا، مذاق اڑانا، طعنے دینا، بُرے القاب چسپاں کرنا وغیرہ۔
- ذاتی مفادات کے لیے جیسے جھوٹے مقدمات کی وکالت کرنا، معاملات میں جھوٹ اور چرب زبانی کے ذریعہ دھوکہ دہی کرنا، مفاد پرست سیاسی قائدین، علماءِ سوء اور دنیادار صوفیاء کا گمراہی پھیلانا وغیرہ۔
- اجتماعیت میں تخریب کے لیے جیسے افواہیں پھیلانا، غلط بیانی کرنا، نجویٰ یعنی قیادت کے خلاف خفیہ مشورے کرنا وغیرہ۔
- شر کی دعوت جیسے وطنی، لسانی یا نسلی عصبیت کی دعوت دینا، فرقہ واریت کا پرچار کرنا، باطل نظریات کی تبلیغ کرنا وغیرہ۔

- گانوں، ڈراموں، فلموں اور نام نہاد ثقافتی سرگرمیوں کے ذریعہ بے حیائی کی دعوت دینا۔

ii. **مثبت استعمال:**

- پیشہ کے طور پر جیسے سچے مقدمات کی وکالت کرنا، اساتذہ کا مفید علوم کے لیے درس و تدریس کرنا، تاجروں کا سچائی اور امانت داری سے خرید و فروخت کرنا، سفارت کاروں کا ملک و قوم کے مفاد کے لیے بات چیت کرنا وغیرہ۔
- خیر کی دعوت جیسے حقوق کے لیے آواز اٹھانا، خدمتِ خلق کی طرف متوجہ کرنا، نظریات، عقائد، رسومات اور اخلاقیات کی اصلاح کے لیے وعظ و نصیحت کرنا، حق کی حمایت میں آواز بلند کرنا۔ اِسی حوالے سے اعلیٰ ترین کام ہے "دعوت الی اللہ" یعنی کسی فرقہ یا مسلک کی طرف نہیں بلکہ توحید اور ہر سطح پر اللہ کی بندگی کی دعوت دینا۔

- دعوت الی اللہ کے لیے چند اہم نکات حسبِ ذیل ہیں:

i. "دعوت الی اللہ" تواصی بالحق کا نقطۂ عروج ہے۔ تواصی بالحق کے ذیل میں چھوٹی چھوٹی اخلاقی نصیحتیں بھی آتی ہیں لیکن اِس کی چوٹی یہ ہے کہ لوگوں کو ایک اللہ ہی کو معبود ماننے کی دعوت دی جائے کیوں کہ نظری اعتبار سے سب سے بڑا حق اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ۝ (الحج[22]: 62)

"اِس لیے کہ اللہ ہی اصل حق ہے اور اُس کے سوا دوسری ہستیوں کو پکارنا بالکل جھوٹ ہے اور بلاشبہ اللہ ہے ہی بلند و بالا بڑائی والا"۔

اور پھر عملی اعتبار سے سب سے بڑا حق یہ ہے کہ انفرادی و اجتماعی ہر سطح پر اللہ کی بندگی کی دعوت دی جائے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ (یوسف[12]: 40)

"حکومت تو بس ایک اللہ ہی کی ہے۔ اُس کا حکم ہے کہ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو"۔

ii. "دعوت الی اللہ" کا کام مقصدِ امت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آلِ عمران[3]: 110)

"(مسلمانو) تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

iii. "دعوت الی اللہ" کا عمل مؤکد ترین سنتِ نبوی ﷺ ہے۔ یہ وہ متفقہ سنت ہے جس پر آپ ﷺ نے ظہورِ نبوت سے لے کر حیاتِ مبارکہ کے آخری سانس تک عمل کیا۔ سورۃ یوسف[12] آیت 108 میں ارشاد ہوا :

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (یوسف[12]: 108)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلاتا ہوں پورے شعور کے ساتھ، میں بھی اور وہ لوگ بھی جنھوں نے میری پیروی کی"۔

سورۃ الاحزاب[33] آیات 45 اور 46 میں آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ سے ایک وصف "داعی الی اللہ" بیان کیا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ○ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ○

"اے نبی ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا، خبردار کرنے والا، اللہ کے حکم سے اُس کی طرف (لوگوں کو) بلانے والا اور (ہدایت کا) روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے"۔

iv. "دعوت الی اللہ" کا اصل محرک لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہیئے۔ اِس میں نہ تو اپنی شخصیت کی نمود کا کوئی شائبہ شامل ہونا چاہیئے اور نہ طلبِ جاہ کا۔ یہاں تک کہ حق کی حمایت میں، غیرت و حمیت کے جذبہ کے تحت، اگر کبھی کسی فرد، گروہ یا ادارے پر تنقید کی نوبت آجائے تو اِس میں بھی ہمدردی اور دلسوزی غالب رہے اور ذاتی رنجش یا انتقامِ نفس کا کوئی شائبہ نہ پیدا ہونے پائے۔

لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا ایک اہم مظہر رحمت اور شفقت کا وہ جذبہ ہے جو لوگوں کو تکلیف اور مصیبت میں دیکھ کر دل میں پیدا ہوتا ہے اور عملی زندگی میں خدمتِ خلق اور ایثار و انفاق کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ دعوتِ دین اور خدمتِ خلق کا ایسا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں۔ بلاشبہ دین کا وہ داعی جو خادمِ خلق نہ ہو، اپنی دعوت میں دولتِ اخلاص سے محروم ہے۔

v. "دعوت الی اللہ" کے عمل کے لیے "الاقرب فالاقرب" کی تدریج اختیار کرنا ضروری ہے یعنی جس سے جتنی قربت اور محبت داعی کو ہو، دعوت و تخاطب میں اِسی قدر اُسے مقدم رکھا جائے۔ دعوت کا تخاطب لازماً ایک تدریج کے ساتھ داعی کے اپنے نفس سے شروع ہو کر پوری انسانیت کو ہونا چاہیئے۔ سب سے پہلے انسان خود اپنی ذات کو دعوت کا مخاطب سمجھے۔ سورۃ المائدۃ[5] آیت 105 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ

"اے ایمان والو! اپنی جانوں کی (گناہوں سے) حفاظت کرو۔ جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا"۔

پھر اپنے اہل وعیال کی تربیت پر توجہ دی جائے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم[66]:6)

"اے مومنو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں"۔

اِس کے بعد اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دینی چاہیئے:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ (الشعراء[26]: 214)

"اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو (آخرت کے محاسبہ سے) خبر دار کرو"۔

پھر قوم تک دعوت پہنچانے کا عمل ہونا چاہیئے:

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ (الاعراف[7]: 59)

"اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں"۔

اور آخر کار پوری انسانیت کو دین کی دعوت پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیئے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرۃ 2: 143)

"اور اِسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر (دین کے) گواہ بنو"۔

یہ صورت کہ داعی اپنے آپ کو بھول جائے اور نیکی کی ساری دعوت دوسروں کو دیتا رہے یا اپنے خاندان اور کنبے کو تو بھول جائے اور دُور دراز کے لوگوں میں ہدایت کی سوغات بانٹنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہو، درست نہیں۔ اِس سلسلے میں یہ بات بھی صحیح نہیں کہ ایک مرحلے کی تکمیل کے بعد ہی دوسرا مرحلہ شروع کیا جائے۔ مطلوب صرف یہ ہے کہ دعوت کے عمل کو ایک فطری تدریج اور حسین تناسب کے ساتھ اپنی ذات، اہل وعیال، کنبے قبیلے اور پھر عوام الناس تک بڑھنا چاہیئے۔

vi. "دعوت الی اللہ" کا ہدف ہونا چاہیئے اقامتِ دین یعنی پورے نظامِ زندگی پر اللہ کے دین کو غالب کرنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ (المدثر 74: 1-3)

"اے لحاف میں لپٹنے والے ﷺ، اٹھیے اور (لوگوں کو عذابِ آخرت سے) آگاہ کیجئے اور اپنے رب کی کبریائی قائم کیجئے"۔

vii. "دعوت الی اللہ" کے لیے قرآنِ حکیم کو ذریعہ بنانا چاہیئے۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں :

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ (الفرقان 25: 52)

"اور (اے نبی ﷺ) قرآن (کے ذریعے) سے اُن سے جہاد کیجئے"۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ (قٓ 50: 45)

"(اے نبی ﷺ) قرآن کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہیے"۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (مریم 19: 97)

"تو (اے نبی ﷺ) ہم نے اِس (قرآن) کو آپ ﷺ کی زبان میں (اتار کر) آسان کر دیا ہے تا کہ آپ ﷺ اِس کے ذریعہ متقی انسانوں کو خوشخبری دیں اور اِس کے ذریعہ جھگڑالو لوگوں کو (انکار و سرکشی کے نتائج سے) خبردار کر دیں"۔

وَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَکُمۡ بِہٖ وَ مَنۡۢ بَلَغَ (الانعام 6: 19)

"(کہہ دیجئے) اور یہ قرآن میری طرف اِس لیے وحی کیا گیا ہے کہ اِس کے ذریعہ سے تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے (اللہ کے عذاب سے) خبر دار کر دوں"۔

وَاَنۡذِرۡ بِہِ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ اَنۡ یُّحۡشَرُوۡۤا اِلٰی رَبِّہِمۡ لَیۡسَ لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیۡعٌ لَّعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ ○ (الانعام 6: 51)

"اور (اے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ) آپ اِس (قرآن) کے ذریعے سے اُن لوگوں کو (انکار و بد عملی کے نتائج سے) خبر دار کیجئے جو اِس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ (قیامت کے دن) اپنے رب کے حضور (اِس حال میں) پیش کیے جائیں گے کہ اُس کے سوا نہ کوئی اُن کا دوست ہو گا اور نہ سفارشی شائد کہ وہ متقی بن جائیں"۔

اِسی حوالے سے ارشاداتِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ہیں:

خَیۡرُکُمۡ مَنۡ تَعَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ وَ عَلَّمَہٗ (۱)

"تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں"۔

مَنۡ دَعَا اِلَیۡہِ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (۲)

"جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اُسے تو ہدایت دے دی گئی سیدھے راستے کی"۔

- آیت کے اگلے حصّہ میں فرمایا وَعَمِلَ صَالِحًا (اور اُس نے عمل کیا اچھا)۔ دعوت اور عمل کے باہمی تعلق کے حوالے سے حسبِ ذیل نکات قابلِ توجہ ہیں:

i. عمل دعوت کا لازمی تقاضا ہے۔ اگر عمل نہ کیا جائے تو نہ صرف دعوت کا اثر نہیں ہوتا بلکہ دعوت کا کام کرنے والوں پر لوگوں کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ بے عملی گناہ ہے لیکن ایک داعی کی بے عملی اِس لیے بڑا جرم ہے کہ وہ یہ حرکت جان بوجھ کر کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ نے دعوت دینے لیکن خود عمل نہ کرنے پر سخت تنبیہ فرمائی:

اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ○ (البقرۃ 2: 44)

"کیا تم (دوسرے) لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو جبکہ تم کتاب

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب فَضَائِلِ الۡقُرۡاٰنِ، باب خَیۡرُکُمۡ مَنۡ تَعَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ وَعَلَّمَہٗ ... عن عثمانؓ

(۲) سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن عن رسول اللہ، باب ما جاء فی فضل القرآن، و سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرء القرآن

کی تلاوت کرتے ہو؟ کیا تم سوچتے نہیں ہو؟"

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ○ (الصّف[61]: 2-3)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کو (یہ) سخت ناپسند ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں"۔

ii. تکمیلِ عمل تک دعوت کے کام کو مؤخر کرنا درست نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میرا عمل درست ہو چکا ہے لہٰذا اب میں دوسروں کو دعوت دے سکتا ہوں۔ یہ شیطان کا حربہ ہے کہ وہ انسان کو اپنے عمل کی مکمل درستگی تک دعوت کے کام سے روکنا چاہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعوت بھی عمل میں اصلاح پیدا کرتی ہے۔ معارف القرآن جلد اوّل میں مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ مولانا اشرف علی تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھے اپنی کسی بری عادت کا علم ہوتا ہے تو میں اِس عادت کی مذمت اپنے مواعظ میں خاص طور سے بیان کرتا ہوں، تاکہ وعظ کی برکت سے یہ عادت جاتی رہے۔

iii. دعوت بلا عمل کے بھی محدود اثرات ہو سکتے ہیں۔ بعض سننے والے حضرت علیؓ کے اِس قول کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے عمل کی اصلاح کر لیتے ہیں کہ "یہ دیکھو کیا کہا جا رہا ہے؟ یہ نہ دیکھو کون کہہ رہا ہے؟"

- آیت کے آخری حصّہ میں فرمایا قَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (دعوت دینے والا کہے میں بھی عام مسلمانوں میں سے ہوں)۔ اِن الفاظ کی افادیت یہ ہے کہ:

i. یہ اللہ کی فرمانبرداری کا اعلان ہے۔ خاص طور پر مخالفانہ ماحول میں یہ اعلان ایک کلمۂ عزیمت ہے کہ کوئی دعوت قبول کرے یا نہ کرے میں تو اللہ کی فرمانبرداری اختیار کر رہا ہوں۔

ii. یہ کلمہ تواضع اور انکساری کا بھی اظہار ہے۔ دعوت دینے والا وضاحت کر رہا ہے کہ میں خود کو بڑا صاحبِ علم اور پارسا سمجھ کر وعظ و نصیحت نہیں کر رہا بلکہ میں خود بھی عام مسلمانوں میں سے ہوں۔ گویا یہ کلمہ تکبر پیدا کرنے کے شیطانی حملے سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

iii. یہ کلمہ فرقہ وارانہ تقسیم سے اعلان برأت بھی ہے۔ داعی واضح کر رہا ہے کہ میری دعوت

کسی مسلک یا فرقہ کی طرف نہیں بلکہ اِسلام کے متفق علیہ امور کے حوالے سے ہے۔ داعی کو احتیاط برتنی چاہیئے کہ وہ وضع قطع، لباس یا طرزِ عمل کے اعتبار سے ایسے شعائر اختیار نہ کرے جو فرقہ وارانہ شناخت کا باعث بن کر اُسے عام مسلمانوں سے علیحدہ کر دیں۔

آیت 34:

وَلَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ... اور نیکی وبدی برابر نہیں ہوتیں... اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ... جواب دو (بدی کا) اُس طور پر جو بہت اچھا ہو... فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَبَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ... تو وہ کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے... کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ○ ایسے ہو جائے گا جیسے گرم جوش دوست۔

- اِس آیت میں صبر کی اعلیٰ ترین منزل کا بیان ہے۔ کسی کی مخالفت میں خاموش رہنا بھی اور جواب نہ دینا بھی صبر ہے۔ اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ برائی کا جواب بھلائی سے دیا جائے۔ اِس طرزِ عمل سے جانی دشمن بھی گرم جوش دوست بن جاتا ہے۔
- دعوتِ دین کے مرحلہ کا اہم اصول ہے کہ برائی کا بدلہ نہ لیا جائے لیکن اپنے موقف پر ثابت قدم رہا جائے۔ اِس روش کو صبر محض (Passive Resistance) کہا جاتا ہے۔ مخالفت کے جواب میں صبر محض کی روش کی حکمت یہ ہے کہ:
    - نظامِ باطل کے پاس انقلابی جماعت کو مکمل طور پر کچلنے کا اخلاقی جواز نہ ہو۔
    - دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اور برائی کا جواب برائی سے نہ دے کر معاشرے کی خاموش اکثریت کی ہمدردیاں حاصل کر کے اپنی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔
    - ساتھیوں کی تربیت کے لیے مہلت لی جاسکے۔
    - ساتھیوں میں انتقام کے جذبہ کو پکایا جائے تاکہ وقت آنے پر باطل کے خلاف بھرپور وار کیا جاسکے۔
- صبر محض کی روش دعوتِ دین کے مرحلہ تک ہے۔ جب ساتھیوں کی معتد بہ تعداد فراہم ہو جائے تو پھر اقامتِ دین کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اِس مرحلہ میں برائی کا جواب ویسی ہی برائی سے دیا جاتا ہے۔ سورۃ الشوریٰ[42] آیات 39 تا 42 میں نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَہُمُ الۡبَغۡیُ ہُمۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ

فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۴۰ وَلَمَنِ انۡتَصَرَ بَعۡدَ ظُلۡمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ سَبِيۡلٍ ؕ ۝۴۱ اِنَّمَا السَّبِيۡلُ عَلَى الَّذِيۡنَ يَظۡلِمُوۡنَ النَّاسَ وَيَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۴۲

"اور جب اُن پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔ اور (جان لو کہ) برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، بے شک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو کوئی اپنے اُوپر ظلم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ الزام (تو) اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتی کرتے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

سورۃ البقرۃ[2] آیت 191 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ اَخۡرَجُوۡكُمۡ وَالۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوۡكُمۡ فِيۡهِ ۚ فَاِنۡ قٰتَلُوۡكُمۡ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝۱۹۱

"اور (جو لوگ تم سے لڑتے ہیں) اُن کو جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا ہے تم بھی اُن کو (وہاں سے) نکال باہر کرو۔ فتنہ تو قتل سے بھی زیادہ برا ہے، اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی اُن سے نہ لڑو۔ پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی اُن کو قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے"۔

سورۃ النحل[16] آیت 126 میں ہدایت دی گئی:

وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ؕ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ ۝۱۲۶

"اور اگر تم اُن سے بدلہ لو تو ویسا ہی بدلہ لو جیسی اُنہوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے اور اگر تم نے صبر کیا تو بلاشبہ صبر کرنے والوں کے لیے یہ ہی بہتر ہے"۔

آیت 35:

وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا ... اور نہیں ملتی یہ سعادت مگر اُن کو جنہوں نے صبر کیا... وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِيۡمٍ ○ اور نہیں ملتی یہ سعادت مگر اُن کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔

اِس آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی کہ برائی کے جواب میں خاموش رہنا بھی آسان نہیں لیکن اِس کا جواب بھلائی سے دیناواقعی مشکل، بہت بڑی سعادت اور بڑے نصیب کی بات ہے۔ مکی دور میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اس طرزِ عمل کی تابناک مثالیں پیش فرمائیں۔

سلام اُس پر کے جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سورۃ القصص [28] کی آیات 54 اور 55 میں حبشہ سے آنے والے اُن اہلِ کتاب کی خوب تحسین کی گئی جنہوں نے مشرکینِ مکہ کی مخالفت کا جواب بھلائی کے ساتھ دیا:

أُولَٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٥٤﴾ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَآ أَعْمَٰلُنَا وَلَكُمْ أَعْمَٰلُكُمْ سَلَٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَٰهِلِينَ ﴿٥٥﴾

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اُن کو دگنا بدلا دیا جائے گا کیونکہ اُنہوں نے صبر کیا اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں اور جو (مال) ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال تم کو سلام ہم جاہلوں سے نہیں الجھتے"۔

آیت 36:

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَٰنِ نَزْغٌ... اور اگر لگ ہی جائے تجھے شیطان کی طرف سے کوئی چُوک... فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ... تو پناہ کی التجا کر اللہ سے... إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ بے شک وہ بہت سننے والا اور سب علم رکھنے والا ہے۔

اِس آیت میں آگاہ کیا گیا کہ شیطان کے حملے سے کوئی محفوظ نہیں اور اللہ سے قربت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ کر بھی اِس کا خطرہ برقرار رہتا ہے، لہٰذا اللہ کی پناہ میں آنے کے لیے خصوصی دعا کی تلقین کی گئی ہے۔ سورۂ مومنون میں بھی اِسی حوالے سے دعا سکھائی گئی:

وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَٰتِ الشَّيَٰطِينِ ○ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ ○ (المؤمنون [23]: 97-98)

"اور (اے نبی ﷺ) یوں دعا کیجئے کہ اے اللہ! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے اللہ! اِس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آموجود ہوں"۔